الھدیٰ (212)

## سورۃ النساء (آیات 76 تا 77)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۚ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَۃِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۷﴾﴾

''جو مومن ہیں وہ تو اللہ کے لیے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کے لیے لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔ بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو (پہلے یہ) حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو (جنگ سے) روکے رہو اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو بعض لوگ اُن میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرا کرتے ہیں' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور بڑبڑانے لگے کہ اے اللہ تو نے ہم پر جہاد (جلد) کیوں فرض کر دیا۔ تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی۔ (اے پیغمبر اُن سے) کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کے لیے (نجاتِ) آخرت ہے۔ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

یہ اہل حق اور اہل باطل کا ذکر ہے کہ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ بھی جنگ لڑ رہے ہیں مگر اُن کی جنگ طاغوت کی راہ میں ہے۔ پس اے ایمان والو تم شیطان کے ساتھیوں اور حمایتیوں سے جنگ کرو۔ یقیناً شیطان کی چال بڑی کمزور ہے۔ دکھائی تو دیتی ہے بڑی زوردار مگر جب مقابلے میں مردِ مومن کھڑے ہو جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اندر سے کھوکھلی ہے۔

کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو' نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ یہ حکم مکہ میں تھا۔ کیونکہ مدینے میں آ کر تو مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت مل گئی تھی۔ مکہ میں مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ انہیں طرح طرح سے ستایا جا رہا تھا۔ دوسرے مسلمان پورے خلوص کے ساتھ اپنے مظلوم اور ستم رسیدہ بھائیوں کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ وہ حضور ﷺ سے گزارش کر رہے تھے کہ ہمیں اجازت دیجیے تاکہ ہم کفار کے ظلم و ستم کو روکنے کے لیے اُن کے ساتھ لڑائی کریں' ہم بے غیرت ہیں اور نہ بزدل' لیکن انہیں اجازت نہیں دی گئی۔ ہاتھ روکے رکھنے ہی کا حکم تھا۔ بقول شاعر۔

نغمہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی — اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

یہاں ہاتھ باندھے رکھنے کا حکم فعل مجہول (قِیْلَ) کے ساتھ بیان کیا گیا ہے' چنانچہ معلوم نہیں ہوتا کہ حکم دینے والا کون تھا۔ لیکن ظاہر ہے ہاتھ باندھے رکھنے کا حکم حضور ﷺ نے ہی مکہ میں دیا تھا لیکن کسی مکی سورت میں اس کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ یا تو آپ ﷺ کا اجتہاد تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے own کیا یا پھر اللہ تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعے آپ ﷺ کو اس کا حکم دیا جو آپؐ نے صحابہ تک پہنچایا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وحی جلی (قرآن) کے علاوہ بھی آپؐ کو اللہ تعالیٰ سے راہ نمائی ملتی تھی' جسے وحی خفی کہا جاتا ہے' اور آپؐ کے اجتہاد کو بھی اللہ کی طرف سے recognition ملتی تھی۔ (یہاں منکرین حدیث کے لیے ہدایت کا ساماں موجود ہے)

اس وقت کچھ لوگ بڑے زور شور سے کہتے تھے کہ ہمیں جنگ کی اجازت ہونی چاہیے مگر جنگ کا حکم دیا گیا تو اب ان میں سے کچھ لوگ انسانوں سے اس طرح ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ظاہر ہے کہ جنگ سے ڈرنے والے مدینہ کے منافقین تھے۔ یہ لوگ اپنے ایمان کا اظہار تو کرتے تھے مگر فی سبیل اللہ قتال سے ڈر رہے تھے۔ وہ کہتے' پروردگار تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی' ابھی اسے کچھ عرصے کے لیے موخر کیا ہوتا۔ فرمایا: اے نبی ﷺ ان سے کہہ دیجیے' دنیا کا ساز و سامان تو بہت حقیری شے ہے اور آخرت بہت بہتر ہے' اُس کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کرے۔ وہاں تم پر دھاگے بھر بھی ظلم نہیں ہو گا بلکہ اللہ کی راہ میں تمہارے انفاق' قتال اور ایثار کا بھرپور اجر و ثواب دیا جائے گا۔

فرمانِ نبویؐ

## دنیا کی لذتیں آزمائش ہیں

چودھری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:

((اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَیَنْظُرُ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ' فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ)) (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''دنیا بڑی شیریں اور دلچسپ و دلربا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر دسترس بھی دے گا تاکہ یہ دیکھے کہ تم اس حالت میں کیسے عمل کرتے ہو' پس دنیا سے بچو' اور عورتوں (میں دلچسپی لینے) سے بچو۔''

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

**قیام خلافت کا نقیب**

ہفت روزہ — لاہور

# ندائے خلافت

جلد 14 — یکم تا 7 دسمبر 2005ء — 28 شوال المکرم 4 ذوالقعدہ 1426ھ — شمارہ 44

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

**مجلس ادارت**

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

**پبلشر**: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
**مطبع**: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔ 54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور۔ 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

**سالانہ زرِ تعاون**
اندرونِ ملک......250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں"

2/12/05

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم٥

# شیر کی ایک دن کی زندگی

تاریخ گواہ ہے کہ ہر غالب قوم بعض خصوصی صفات کی حامل ہوتی ہے۔ از منہ وسطیٰ سے لے کر ماضی قریب تک دنیا میں غالب قوم کی غالب صفت بہادری اور جنگجوئی تھی۔ اِس بہادری اور جنگجوئی کی بنیاد عدل وقسط بھی ہوتی تھی اور ظلم و تعدّی بھی۔ البتہ قوت کا استعمال بہر صورت ناگزیر رہا' اِس فرق کے ساتھ کہ بعض بیرونی فاتحین کا استقبال اُن کی راہ میں پھول بچھا کر کیا گیا اور بعد ازاں اُن کے حسنِ سلوک اور مثالی طرزِ حکومت کی وجہ سے مفتوحین اپنے فاتحین کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ کہیں اُن کا دین اپنا کر اُن کے ہو کر رہ گئے اور کہیں اُن کے بت تراش کر اپنے معبدوں میں رکھ لیے۔ محمد بن قاسمؒ اور طارق بن زیادؒ اِس کی واضح مثالیں ہیں جبکہ چنگیز خان اور ہلاکو خان نے قوت کا استعمال خون کے دریا بہانے اور انسانی کھوپڑیوں کے پہاڑ بناتے ہوئے کیا۔ یہ درندگی اور خونخواری الگ بات ہے لیکن ہم منگولوں کے بہادر اور جنگجو ہونے سے انکار نہیں کر سکتے۔

ہمیں یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ ظلم اور خونریزی کے حوالہ سے ہم اکثر ہلاکو اور چنگیز خان کی مثالیں اِس لیے دیتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی تہ تیغ ہوئے اور اُن کا خون بہا۔ پھر یہ کہ ہمیں تاریخ کے بہت زیادہ پرت الٹنے نہیں پڑتے۔ یہ ماضی قریب کی تاریخ ہے' وگرنہ ماضی بعید میں بھی فاتحین کی درندگی اور خونریزی کی بہت سی مثالیں ہیں۔ انسانی تاریخ کا جہاں تک سراغ ملتا ہے یعنی ہزاروں سال قبل مسیح سے لے کر انیسویں صدی عیسویں تک ہر دور میں دنیا میں غالب قوم کی غالب صفت بہادری' شجاعت اور جنگجویانہ روش ہی تھی۔ غالب قوم میں ذہانت و فطانت اور حکمت و منصوبہ بندی جیسی صفات بھی یقیناً کسی نہ کسی درجہ میں ہوتی ہوں گی لیکن اِن کی حیثیت ثانوی تھی۔ اُنیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں دنیا میں صنعتی انقلاب آیا۔ سائنس اِس انقلاب کی بنیاد تھی۔ حالات نے کروٹ بدلی۔ اب دنیا میں غالب قوم بننے کے لیے جہاں بہادری اور شجاعت کی ضرورت تھی' وہاں سائنسی علوم اور اُس کی بنیاد پر صنعتی ترقی نے بھی اہم حیثیت حاصل کر لی۔

افسوس صد افسوس کہ تاریخ کے اِس انتہائی اہم اور نازک موڑ پر مسلمان غافل اور تن آسان ہو چکا تھا اور اُن کے حکمران عیش و عشرت کے دلدادہ اور ہوس دنیا میں اندھے ہو چکے تھے۔ اقتدار کے ایوانوں میں محلاتی سازشیں ہو رہی تھیں اور عوام میں جہالت اور تفرقہ بازی عروج پر تھی۔ وقت تو پہلے بھی کسی کا انتظار نہیں کرتا تھا' اب تو وقت کو الیکٹرک پہیہ لگ چکا تھا۔ دنیا میں غالب قوم کی حیثیت سے ابھرنے کے لیے اب جدید ترین ٹیکنالوجی کا حصول شرطِ اول ٹھہری اور شجاعت و بہادری کی حیثیت ثانوی' بلکہ اِس سے بھی کمتر ہو گئی۔ چنانچہ بہادر اور جانفروش افغانوں پر چوہے کی آہٹ سے ڈرنے والے امریکی غالب آ گئے۔ بہادر افغان اُس وقت انتہائی لاچار اور بے بس دکھائی دیتے تھے جب بادلوں کے اوپر گڑگڑاہٹ ہوتی تھی۔ ابھی آنکھ کچھ دیکھ بھی نہ پاتی تھی کہ آتش و آہن کی بارش ہنستی بستی آبادیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔

پرانے زمانے میں دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے تلوار زنی اور نیزہ بازی میں ماہر ہونا ضروری تھا اور اِن دو امور کی انجام دہی کے لیے زبردست جسمانی قوت ناگزیر تھی۔ آج جدید ترین ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے ذہنی محنت کی ضرورت ہے۔ یہ ذہنی محنت انسان کو چالاک اور عیار بنا دیتی ہے۔ چنانچہ موجودہ غالب قوت یعنی امریکہ اور باقی سفید سامراج اپنی ذہنی صلاحیتیں اِس نکتہ پر (باقی صفحہ 8 پر)

# دوسری غزل

## (بالِ جبریل، حصہ دوم)

یہ کون غزل خواں ہے پُر سوز و نشاط انگیز
اندیشۂ دانا کو کرتا ہے جنوں آمیز

گو فقر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ
ناچتہ ہے پرویزی، بے سلطنتِ پرویز!

اب حجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی
خونِ دلِ شیراں ہو جس فقر کی دستاویز!

اے حلقۂ درویشاں وہ مردِ خدا کیسا
ہو جس کے گریباں میں ہنگامۂ رستا خیز!

جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سُرعت میں بجلی سے زیادہ تیز!

کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز!

یوں دادِ سخن مجھ کو دیتے ہیں عراق و پارس
یہ کافرِ ہندی ہے بے تیغ و سناں خونریز!

1۔ اِس غزل کے مطلع میں اقبال استفہامیہ انداز میں خود اپنے بارے میں یُوں گویا ہیں کہ یہ کون سخن ور ہے، جس کے کلام میں سوز و گداز بھی ہے اور کیف و سرور بھی، اور جن لوگوں کو اپنی دانش وری پر ناز ہے، اُن کی عقل و دانائی پر ایک طرح کے جنون کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ مُراد یہ ہے کہ اِس کلام میں دانش وروں کے لیے عمل کی ترغیب دی گئی ہے۔

2۔ فقر اور ملوکیت (بادشاہت) دونوں میں بڑی مشابہت ہے، یعنی فقیر اور بادشاہ دونوں انسانوں پر حکومت کرتے ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ پرویزی (بادشاہت) ظاہری شان و شوکت اور مادی لوازم، فوج اور دولت وغیرہ پر موقوف ہے، لیکن فقیری اِن تمام باتوں سے بے نیاز ہے۔ بادشاہ خزانہ، فوج اور تاج و تخت کے بغیر حکومت نہیں کر سکتا، لیکن فقیر اِن میں سے کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔

3۔ اگر یہ کہا جائے کہ اب صوفیا میں پہلے جیسی صلاحیت اور رُوحانی قوت برقرار نہیں رہی تو بے جا نہ ہوگا، ورنہ ماضی میں تو صوفی اور درویش میں ایسی رُوحانی قوت ہوا کرتی تھی، جس کے رُوبرو شیر بھی لرزہ براندام رہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ موجودہ دور کے صوفیا اور درویش فقر و غنا سے انحراف کر کے دنیاوی مال و جاہ کے چکر میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں وہ روحانی قوت باقی نہیں رہی جو ہر نوع کی بڑی سے بڑی قوت پر بھاری ہوتی تھی۔

4۔ میں آج کل کے صوفیوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ حقیقی معنوں میں فقیر وہ ہے جس کے سینے میں انقلاب برپا کرنے کی اس قدر زبردست آرزو موجزن ہو کہ پاس بیٹھنے والوں کو قیامت کا نقشہ نظر آ جائے۔ ماضی میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کی تڑپ صوفیا کرام کی زندگیوں کا طغرائے امتیاز تھی، اور یہی وہ چیز ہے جس کا آج ہر طرف فقدان ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔ سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے نامور بزرگ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے اسلام کی تبلیغ کے لیے اپنے نامور خلیفہ حضرت سید محمد گیسو دراز (خواجہ بندہ نواز) کو دکن بھیجا تھا، اور وہ اِس شان سے روانہ ہوئے تھے کہ سات سو درویش اُن کے ہم رکاب تھے۔

5۔ حقیقی فقیر کی دوسری شناخت یہ ہے کہ اُس میں ذکر اور فکر، دونوں طاقتیں پہلو بہ پہلو کارفرما ہوتی ہیں۔ ذکر سے مراد ہے عشقِ الٰہی، جس کی بدولت قلبِ مومن منور ہو جاتا ہے، اور فکر سے مراد ہے، ذہن میں چند مُسلمات کو اِس طرح ترتیب دینا کہ اُن کی مدد سے نئے معارف حاصل ہو سکیں۔ یعنی حقیقی معنی میں "مردِ خدا" یا فقیر وہ ہے جس کا دل ذکرِ الٰہی، محبتِ الٰہی سے روشن ہو، اور جس کی فکر حقیقت معلوم کرنے میں بجلی سے بھی زیادہ تیز ہو۔

6۔ اِس شعر میں اقبال نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ ملوکیت، ایک لعنت ہے جو انسان کے دماغ میں فرعونیت پیدا کر دیتی ہے۔ اور جس طرح جنون کے مرض میں دماغ خراب ہو جاتا ہے، جس کی بناء پر مریض سے خلافِ عقل افعال سرزد ہوتے ہیں، اسی طرح ملوکیت بھی دماغ میں فتور پیدا کر دیتی ہے، اور انسان اپنی حد سے متجاوز ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ایسی باتیں کر بیٹھتا ہے جو سراسر عقلِ سلیم کے خلاف ہوتی ہیں۔ اطبا جنوں کے معالجے میں فاسد خون نشتر کے ذریعے سے خارج کر دیتے ہیں۔ اِس طریقِ علاج سے اقبال کی قوتِ متخیلہ نے بڑا عمدہ مضمون پیدا کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ چنگیز خان ہو یا تیمور، دراصل وہ نشتر ہیں جن کے ذریعے سے اللہ متکبر بادشاہوں کا دماغ، اُن کا فاسد خون خارج کر کے درست کر دیتا ہے۔

چنگیز خان تاتاریوں کا مشہور سپہ سالار تھا جس نے تیرھویں صدی عیسوی میں اپنی خانہ بدوش قوم کو منظم کر کے ایک بے پناہ طاقت پیدا کر لی تھی۔ پھر وہ اسلامی ملکوں پر حملہ آور ہوا اور ایشیا کے بڑے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کی یورش میں کم و بیش ستر لاکھ مسلمان موت کے گھاٹ اُترے۔ تیمور وسط ایشیا کا سب سے بڑا مسلمان فاتح تھا۔ تیمور نے ایشیا کے اکثر چھوٹے بڑے بادشاہوں کو تباہ کیا اور بے شمار انسانوں کا خون بہایا۔ بابر تیمور کی چھٹی پُشت میں تھا، جس نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔

7۔ مُسلم ممالک میں جو لوگ سمجھ دار ہیں اور میری شاعری کے مقصد و منشا سے واقف ہیں، وہ اِس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ کافرِ ہندی (اقبال) بے تیغ و سناں جنگ آزمائی میں مشغول ہے۔ اقبال کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میں اِس زمانے میں کفر و الحاد کے خلاف جہاد بالقلم کر رہا ہوں۔

منبر و محراب

# دعوت دین: ضرورت و اہمیت

**مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں' ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان محترم عبدالرزاق صاحب کے 25 نومبر کے خطاب جمعہ کی تلخیص**

(آیت کریمہ کی تلاوت اور خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:) آج مجھے جس موضوع پر گفتگو کرنی ہے وہ ہے "دعوت دین کی ضرورت و اہمیت"۔ سورۂ حم سجدہ کی آیت نمبر 33 میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝﴾

یعنی "اس شخص سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہوگی' جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی' اور اس نے نیک عمل کیے' اور کہا کہ میں بھی (عام) مسلمانوں میں سے ہوں۔"

دعوت کے بارے میں عام طور پر یہ تصور پایا جاتا ہے کہ دین کی دعوت مخصوص طبقے یعنی علماء کا کام ہے' حالانکہ یہ ذمہ داری بحیثیت مجموعی سب مسلمانوں کے ذمہ لگائی گئی ہے کہ وہ اس دین کو خود سمجھیں اور دوسرے لوگوں کو سمجھائیں' دوسرے لوگوں تک اس دین کو پہنچائیں۔ اگرچہ اصلاً یہ ذمہ داری انبیاء کرام کی ہوا کرتی تھی لیکن نبی اکرم ﷺ کے بعد اب یہ ذمہ داری آپؐ کی امت کو سونپ دی گئی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ جیسے انسان کی زندگی میں مختلف ادوار ہیں' بچپن ہے' اس کے بعد جوانی کا عالم آتا ہے' پھر اُدھیڑ عمر آتی ہے اور آخر میں بڑھاپا آتا ہے' اسی طرح یہ نوع انسانی بھی مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے' نبی اکرم ﷺ کے دور میں آکر ذہنی اور فکری اعتبار سے پورے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق نبوت و رسالت کو کامل کر کے اس کو ختم کر دیا۔

نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی تا قیامت انسان کو ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت تھی۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ قرآن مجید جو نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا' اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝﴾ (الحجر:9)

یعنی "ہم نے ہی اس "الذکر" کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"۔

دوسرے یہ کہ دعوت دین کی ذمہ داری کو پوری اُمت کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ یہ ذمہ داری پہلے نبی اور رسول ادا کرتے تھے۔ اب یہ اعزاز اس امت کو عطا کر دیا گیا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا:

((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))

"جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ اب دین کو ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں"۔

قرآن مجید میں بھی بڑے واضح انداز میں بیان کر دیا گیا کہ یہ ذمہ داری مسلمانوں کی ہے۔ کئی جگہ پر یہ بات آئی ہے۔

سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.....﴾ (آل عمران:110)

یعنی "تم ایک بہترین اُمت بنائے گئے ہو۔ تمہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

سورۂ حج کے آخری رکوع میں اور زیادہ واضح الفاظ ہیں۔

﴿وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ.....﴾

یعنی "اور جہاد کرو اللہ کے راستے میں جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے' اس نے تمہیں چن لیا ہے اور نہیں رکھی تم پر دین میں کوئی تنگی' دین تمہارے باپ ابراہیم کا' اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس (قرآن) میں تاکہ رسول نے جس طرح تم پر گواہی دی تم بھی گواہی دو اور دو پوری نوع انسانی پر (اس دین کی)"۔

صحابہ کرامؓ نے اس ذمہ داری کو اپنا فرض سمجھا۔ چنانچہ وہ مسجد الحرام کی ایک لاکھ اور مسجد نبوی کی پچاس ہزار نمازوں کا ثواب چھوڑ کر نکلے اور دین کی دعوت کی غرض سے دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے۔

اس حوالے سے اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو اس وقت پوری اُمت مسلمہ کا معاملہ اتنا دگرگوں ہے کہ دوسروں کو دعوت دینا تو کجا خود اُسے تبلیغ اور دعوت دین کی ضرورت ہے۔ حالانکہ یہ اُمت کوئی چھوٹی اُمت نہیں ہے۔ تعداد کے اعتبار سے بہت بڑی امت ہے۔ پوری دنیا کے اندر ہر پانچواں انسان مسلمان ہے۔ اور ستاون اٹھاون مسلمان ممالک موجود ہیں۔

اگرچہ ہمارے ہاں دعوت دین کے حوالے سے ایک بہت بڑی جماعت کام کر رہی ہے۔ اس کا نام ہی تبلیغی جماعت ہے۔ لیکن یہ کہ یہ تبلیغ برائے تبلیغ نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ اقامت دین کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر کسی ملک میں دین قائم ہے تو پھر اس تبلیغ کو توسیع انقلاب کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ اور اگر کسی ملک کے اندر دین قائم ہی نہیں ہے' تو ظاہر ہے کہ تبلیغ کا ہدف یہ ہونا چاہیے کہ اس دین کو قائم کیا جائے۔ دین کے غلبہ کی جدوجہد کو اس کا حصہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت ہمارے سامنے رہنی چاہیے۔ آپؐ کی ساری جدوجہد' دعوت و تبلیغ کا محور اور مرکز یہی تھا کہ اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے۔ اس حوالے سے ہی ساری پلاننگ ہوتی تھی۔

دعوت و تبلیغ کے فریضہ کے لیے قرآن مجید میں ایک اہم اصطلاح شہادت علی الناس استعمال ہوئی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت 143 ہی میں فرمایا گیا:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ.....﴾

یعنی "اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی اُمت بنایا ہے' تاکہ تم (اس دین کے) گواہ بنو"۔

شہادت علی الناس یا دین کی گواہی کے کئی پہلو ہیں۔

ایک تو یہ کہ انسان انفرادی طور پر اس دین کی گواہی دے رہا ہو۔ اور یہ گواہی ظاہر ہے کہ صرف زبان سے کافی نہیں ہوگی' بلکہ انسان کا اپنا عمل بھی گواہی دے رہا ہو کہ یہ شخص واقعی اس دین کا داعی ہے۔ اس دین کو ماننے والا ہے۔ اسی طریقے سے اس کی دوسری Dimension یہ ہوگی کہ اجتماعی سطح پر بھی اس کی گواہی دی جائے' اور اس کی صورت یہی ہے کہ اس دین کو قائم کر کے دکھایا جائے' تبھی یہ گواہی مکمل ہوگی۔ ورنہ کتابوں میں لکھا ہوا دین حجت نہیں بنتا۔ حجت تو تب ہی بنے گا جب یہ دین اجتماعی سطح پر اپنی پوری تعلیمات کے ساتھ چلتا پھرتا ایک نمونہ نظر آئے۔ سر کی آنکھوں سے لوگ دیکھیں کہ ہاں واقعی یہ دین قابل عمل ہے۔ یہ دین اللہ کی برکات کو نازل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ لوگوں کی فلاح و بہبود کا حامل ہے۔ یہ لوگوں کے مسائل کو حل کرتا ہے۔ لوگ اس میں امن اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کوئی کسی پر ظلم نہیں ڈھا رہا۔ کوئی کسی کا استحصال نہیں کر رہا۔ ہم دیکھتے ہیں یہ ساری خوبیاں خلافت راشدہ کے نظام میں موجود تھیں۔ لیکن یہ آج ہماری بدقسمتی ہے کہ پاکستان سمیت ستاون اسلامی ملکوں میں سے کسی ایک ملک میں بھی ہم یہ نمونہ پیش نہیں کر سکتے' چنانچہ ہم کسی کو نہیں بتا سکتے کہ اسلام کو اگر آپ نے اس کی صحیح شکل میں دیکھنا ہے تو فلاں ملک کو دیکھ لیں۔ کوئی ملک بھی ایسا نہیں ہے۔ طالبان نے افغانستان میں ایک کوشش کی تھی وہ بھی طاغوت سے بالکل برداشت نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کا نظام عالمی طاغوتی نظام کے گلے میں ہڈی بن کر پھنس گیا' اور اس کو تہس نہس کرنے کے لیے جس طریقے سے عالم کفر اکٹھا ہوا وہ ہم سب کے سامنے ہے۔

اس اعتبار سے یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ ہم دین کی دعوت اور تبلیغ کے کام کو اپنی ذمہ داری سمجھ کر کریں۔ یہ سمجھنا کہ یہ کام کسی خاص طبقے کی ذمہ داری ہے' درست نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ سب کے سب داعی تھے' چاہے کوئی پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ کوئی تاجر تھا یا کسی اور پیشہ سے وابستہ سب اس دین کے داعی تھے۔ ہر شخص نے ایک داعی کا کردار ادا کیا۔

دعوت دین کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ اپنے آپ کو اسلام پر قائم رکھنے کے لیے بھی اس کام کو کرنا بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ جس معاشرے میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں' اس کے اندر ہمارے اوپر طاغوتی نظام کا بہت زیادہ پریشر ہے۔ برائی' فحاشی اور عریانی کا منظم طریقے سے پروپیگنڈہ ہو رہا ہے۔ اس سے بچاؤ کی کوئی اور صورت ممکن ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہم اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ جیسے کہا جاتا ہے Offense is the best defence۔ اپنے آپ کو اگر اس برائی سے بچانا ہے تو پھر آپ کو خود اس کے خلاف کھڑا ہونا پڑے گا' ورنہ آپ نہیں بچ سکتے۔ جب سیلاب آیا ہو اور کوئی اس میں کھڑا رہنا چاہے تو کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ نے اس جگہ کھڑے رہنا ہے تو آپ کو مخالف سمت میں مسلسل زور لگانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تب آپ کے لیے ممکن ہوگا کہ آپ کم از کم اسی جگہ کھڑے رہیں۔ چنانچہ اگر آپ واقعی مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں' ایک مومن کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں' تو آپ کے لیے از بس ضروری ہے کہ آپ دعوت کے کام کو اختیار کریں ورنہ آپ معاشرے کے زبردست پریشر کا شکار ہو جائیں گے اور اس کے رنگ میں رنگے جائیں گے۔ ضروری ہے کہ جس سطح پر بھی ہمارے لیے ممکن ہو۔ ہم اس دعوت کے کام کو اختیار کریں ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے گھر میں اس کام کو شروع کرے' اپنے بچوں کی اسلامی خطوط پر تربیت کرے' اپنے خاندان کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دین کی دعوت دے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کام تن تنہا کرنا زیادہ مشکل ہے۔ اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے' لیکن اس کے لیے بہت زیادہ ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ انسان اگر کسی اجتماعیت کو اختیار کر لیتا ہے تو اس کام کے اندر بڑی سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس کو ایک بہت بڑی جماعتی سپورٹ مل جاتی ہے۔ اس کی ہمت بندھانے کو بہت سے افراد اس کو مہیا ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی وقت اس کے اندر کوئی کمزوری پیدا ہوتی بھی ہے تو وہ اس کو سہارا دے دیتے ہیں۔ بہرحال یہ ہم سب کی اپنی ضرورت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً))

''پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت ہو''۔

آپؐ ہی کا فرمان ہے:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ (متفق علیہ)

یعنی ''تم میں بہترین لوگ وہی ہیں کہ جو قرآن سیکھتے ہیں اور قرآن سکھاتے ہیں''۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے یہ بات فرمائی کہ علی! اگر تمہارے ذریعے سے کوئی شخص بھی راہ ہدایت پر آ جائے' تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھری ہوئی وادی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص آپ کے ذریعے سے راہ ہدایت پر آ گیا ہے۔ اب وہ جو بھی کچھ نیک عمل کر رہا ہے' اس میں آپ کا حصہ بھی شامل ہو گیا ہے۔ اس کو تو اپنے عمل کا اجر ملے گا' لیکن وہ اب آپ کے لیے صدقہ جاریہ بن گیا۔ آپ تو کچھ بھی نہیں کر رہے' عمل وہ کر رہا ہے' حصہ آپ کو بھی مل رہا ہے۔ ویسے بھی یہ بہت بڑی خوش بختی کی علامت ہے کہ کسی کو اس کام کی توفیق مل جائے۔

دعوت کا کام پہلے نبی اور رسول کرتے رہے ہیں۔

حضرت آدمؑ سے لے کر نبی اکرم ﷺ تک یہ رسولوں کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ اب یہ ذمہ داری امت مسلمہ کے ہر فرد کو دے دی گئی ہے۔ لہٰذا نبیوں اور رسولوں والا کام اگر انسان اختیار کر لے تو اس کو بھی نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ایک نسبت حاصل ہو جائے گی۔ اس سے بھی بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ کام کرنے والے اللہ اور نبی کے مددگار شمار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں دو پارٹیوں کا ذکر ہے: ایک حزب اللہ ہے اور دوسری حزب الشیطان۔ انسان ان دو پارٹیوں میں سے کسی ایک ہی میں شمار ہوگا' یا وہ حزب اللہ میں ہو سکتا ہے یا وہ حزب الشیطان میں! انسان کے لیے یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ وہ خالق کائنات کی پارٹی میں شامل ہو جائے۔ اس سے بھی آگے یہ کہ جو شخص بھی یہ جدوجہد کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اپنا مددگار شمار کرتا ہے۔ اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کا مددگار شمار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰہِ....﴾ (الصف:14)

یعنی ''اے اہل ایمان! اللہ کے مددگار بن جاؤ''۔

اللہ اس پوری کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اُسے ہماری مدد کی کیا ضرورت معاذ اللہ' اسے تو پورا اختیار حاصل ہے۔ وہ تو علیٰ کل شیءٍ قدیر ہے۔ اس کی مدد چہ معنی دارد؟ اللہ کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ کے دین کے غلبہ کی جدوجہد میں لگ جائے۔ جو اس کام میں لگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنا مددگار شمار کرتا ہے۔ سورۂ حدید کی آیت ہے۔

﴿وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ﴾

(حدید:25)

یعنی ''اور اللہ جانچنا چاہتا ہے' کون ہیں اس کے مددگار۔ اور اس کے رسولوں کے مددگار''۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس راستے کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

**یہ تصور کہ دعوت دین کسی خاص طبقے کی ذمہ داری ہے درست نہیں۔ صحابہ کرامؓ سب کے سب داعی تھے۔ چاہے کوئی پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ' تاجر تھا یا کسی اور شعبہ سے وابستہ' سب نے داعیانہ زندگی بسر کی۔**

## دعائے صحت

رفیق تنظیم اسلامی کراچی شمالی محمد علی خان صاحب کی والدہ علیل ہیں۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء و احباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

# پاکستان امریکی پیشین گوئیاں اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

گزشتہ دنوں قومی روزناموں میں شائع ہونے والے ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کے مضمون پاکستان' امریکی پیشین گوئیاں اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جواب میں رفیق تنظیم اسلامی محمد سمیع اپنے قلم کو جنبش دیتے ہیں۔

لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو ہر شے کے صرف تاریک پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں۔ انہیں ہم قنوطی کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو ہر شے کے صرف روشن پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں جنہیں ہم رجائیت پسند کہتے ہیں۔ یہ دو انتہائیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اول الذکر لوگ عموماً مایوسی کا شکار رہتے ہیں جب کہ آخر الذکر ضرورت سے زیادہ خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ انسان ہر بات کے تاریک اور روشن دونوں پہلوؤں پر نظر رکھے۔ اس کے نتیجے میں نہ تو وہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ خوش فہمی کا۔

ڈاکٹر صفدر محمود کو یہ شکایت ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مایوسی کی باتیں زیادہ کرتے ہیں' جبکہ وہ ان سے خوش عقیدگی کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اگر ان کو ڈاکٹر صاحب کی تحریروں اور تقریروں سے استفادہ کا موقع ملا ہو اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہوا ہوگا' تو ان کے مضمون کو پڑھ کر جو حال ہی میں قومی اخبارات میں شائع ہوا ہے' مجھے سخت حیرت ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب امت مسلمہ کی حالت زار کے بارے میں اپنے خطابات میں یہ دو شعر اکثر و بیشتر پڑھتے ہیں۔

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی' کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے
اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں مجھ کو ستانے والے

امت کے موجودہ زبوں حالی پر پہلا شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ ہر دردمند انسان جس کے دل میں امت کا درد ہے' اس کی زبوں حالی کے تناظر میں یہی شعر پڑھے گا۔ لیکن یہ جو دوسرا شعر ہے' یہ تو پہلے شعر کی ضد ہے۔ ڈاکٹر صاحب یہ شعر کس خوشی میں پڑھتے ہیں۔ دراصل ڈاکٹر صاحب کا جو ویژن ہے اس کے مطابق اگرچہ امت مسلمہ اس وقت اپنی تاریخ کے ایک کٹھن دور سے گزر رہی ہے اور بظاہر احوال اس کے ذلت و خواری سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے لیکن انہیں الصادق المصدوق ﷺ کی پیشین گوئیوں پر پورا یقین ہے کہ قیامت سے قبل پوری دنیا پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ جب نبی اکرم ﷺ نے فرما دیا ہے کہ ایسا ہوگا تو یقیناً ایسا ہوگا۔ ان کا تو یہ خیال ہے کہ اس بارے میں کسی بھی شک و شبہ کے اظہار کے نتیجے میں ایمان خطرے میں پڑ جانا ایک یقینی امر ہے۔

الحمدللہ' ڈاکٹر صاحب کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کی جدوجہد سے عبارت ہے۔ احیائے اسلام کی راہ میں جو رکاوٹیں انہیں حائل نظر آتی ہیں' اس کے نتیجے میں مایوسی کا احساس پیدا ہونا فطری ہے' لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی جدوجہد ترک تو نہیں کی اور اس لیے نہیں کی کہ ان کا حضور ﷺ کی پیشگوئیوں پر کامل ایمان ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ راہ کی دشواریوں کو بیان بھی نہ کیا جائے۔ وہ ممکنہ خطرات اور مشکلات کا اظہار اس لیے نہیں کرتے کہ لوگوں میں مایوسی پیدا ہو کیونکہ اگر ان کی یہ نیت ہو تو ظاہر ہے کہ ان کی مایوسی کا سب سے گہرا اثر تو ان کے ان ساتھیوں پر پڑے گا جو ان کے قافلہ میں شامل ہیں۔ وہ تو ان کا تذکرہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ بیدار ہوں۔ کیونکہ دشواریوں پر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب کی یہی اپروچ پاکستان کے حالات کے بارے میں بھی ہے۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ جاگیرداروں' فوجی اور سول بیوروکریسی کے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں پاکستان کس حال کو پہنچ چکا ہے تو ان کا دل کڑھتا ہے۔ اس پر مستزاد بین الاقوامی سازشیں جب ان کے سامنے آشکارا ہوتی ہیں تو وہ یہ شعر پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

لیکن جب وہ ہندو پاکستان میں رجال دین کی گزشتہ چار سو سال کی تجدیدی مساعی کو دیکھتے ہیں اور قیامت سے قبل خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی پیشگوئیاں کو پڑھتے ہیں تو بے ساختہ ان کی زبان پر یہ شعر آ جاتا ہے کہ ؎

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں مجھ کو ستانے والے

کیونکہ انہیں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کا قیام اللہ تعالیٰ کی خصوصی مشیت کا مظہر ہے اور کیا عجب کہ حضرت مہدی کی مدد کو جن لشکروں کے جانے کی پیشگوئیاں احادیث میں وارد ہوئی ہیں وہ ہمارے ہاں سے ہی جائیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اُس وقت یہاں اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی نافذ ہو چکا ہو۔ وہ اس تناظر میں علامہ اقبال کا وہ شعر پیش کرتے ہیں کہ۔

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے

ڈاکٹر صاحب جب رینڈ کارپوریشن کی پیشین گوئیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ وہ ہم وطنوں کو ان کی سازشوں سے باخبر رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہندوستان کی فوجی برتری کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ انہیں قومی فوج کی صلاحیتوں کا ادراک نہیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری فوج ہندوستان کو دستیاب اسلحوں اور فوجی قوت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی حکمت عملی مرتب کرے۔ اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہم اپنا دایاں بازو اتنی آسانی سے کھو دیتے۔ جہاں تک پاکستانی فوج کے لڑنے کی صلاحیت کا تعلق ہے' یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ بھارت کے مشرقی محاذ کے کمانڈر جنرل اروڑا نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد یہ بات کہی تھی کہ اگرچہ پاکستان کو شکست ہوئی لیکن اب بھی ان کا ایک فوجی اپنے آپ کو بھارت کے آٹھ فوجیوں پر بھاری سمجھتا ہے۔

ہمیں حقائق سے چشم پوشی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ حقائق جتنے بھی تلخ کیوں نہ ہوں ان کا اظہار ضرور کرنا چاہیے ورنہ انسان خود فریبی اور خود پسندی کا شکار ہو جاتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس زمانے میں پاکستان کے خلاف مشرقی پاکستان میں سازشوں کے تانے بانے بنے جا رہے تھے' ہماری خوش فہمی کا یہ عالم تھا کہ مغربی پاکستان کے ایک سنیئر صحافی نے ایک مضمون لکھا جس کا

ڈاکٹر صاحب جب رینڈ کارپوریشن کی پیشینگوئیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ ان پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ وہ اپنے ہم وطنوں کو ان سازشوں سے باخبر رکھنا چاہتے ہیں

عنوان ہی یہ تھا کہ ''مشرقی پاکستان میں محبت کا زمزمہ بہہ رہا ہے''۔ جب کہ وہاں کے جذباتی نوجوانوں اس بات کا کھلے عام اظہار کر رہے تھے کہ ہمیں ہندوؤں کی غلامی منظور ہے لیکن مغربی پاکستان کی بالادستی قبول نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری بربادیوں کے مشورے ہر چار سو جاری ہیں۔ ہمارے خاندانی نظام میں انتشار پیدا کرنے کے لیے قاہرہ کانفرنس' بیجنگ کانفرنس اور بیجنگ پلس کانفرنس منعقد ہو چکی ہیں۔ امریکی تھینک ٹینک کی رپورٹیں بھی ہماری بربادیوں کی تیاری کا حصہ ہیں اور ابو معالی سید جیسے ہمارے دوست بھی ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ دنیا کی نظروں میں ہماری ایٹمی قوت بھی یزداں بن کر کھٹک رہی ہے۔ یہ سب باتیں درست سہی لیکن ہمیں ان سے اتنا خطرہ نہیں جتنا خطرہ ملک کے اندر قائم خود اپنے خلاف مختلف محاذوں سے ہے۔ ہم نے ملک اسلام کے نام پر بنایا تھا لیکن اسلام کے نفاذ ہی متنازعہ بنا دیا گیا اور ہمارے اہم قائدین کا اس بات سے اتفاق نہیں تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم نے پاکستان اسلام کے لیے نہیں بنایا تھا بلکہ ہندوؤں کی بالادستی کا خوف قیام پاکستان کا سبب بنا۔ اگر سیاست کے ایوانوں میں شامل ہمارے کچھ ناداں دوستوں کو اس کا یقین ہے کہ پاکستان اسلام کے لیے نہیں بنا تھا تو انہیں اس حقیقت کا علم تو ہے کہ پاکستان کا قیام پارلیمانی جمہوریت کے پراسس کے ذریعے ہوا تھا' اسی کو اختیار کرتے۔ لیکن نہ تو یہاں اسلام نافذ ہوا اور نہ ہی دنیا کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی تبلیغ کرنے والے یہاں پارلیمانی جمہوریت کو اس کی اصل روح کے مطابق نافذ کر سکے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی مجبوری یہ ہے کہ وہ ان بیوروکریٹس کی سنت پر عمل نہیں کر سکتے جو ہر حکمران کو ''سب سے اچھا ہے'' کی رپورٹ دیتے رہتے ہیں۔ وہ قوم کو حالات کے اچھے اور برے دونوں رخ سے آگاہ رکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے خطابات میں قوم کو حالات کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ صرف اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ مایوس کن حالات سے نکلنے کا راستہ بھی بتاتے ہیں۔ وہ قوم میں توبہ کی منادی کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارا اشرافیہ طبقہ حال مست ہے اور عوام ''کھال'' مست۔ ایسے میں کون سنتا ہے فغانِ درویش۔

ہمارے حکمران ترقی کا نعرہ لگاتے ہیں اور اسی میں قوم کی نجات سمجھتے ہیں۔ بدقسمتی سے ترقی ہو تو رہی ہے لیکن ایسی ترقی جسے معکوس کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ قوم کی نجات صرف انفرادی سطح پر توبہ اور اجتماعی سطح پر اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام میں ہے۔ جس دن قوم اس جانب پیش قدمی کرے گی تو ان شاء اللہ قوم کے دلدر دور ہونے کا آغاز ہو جائے گا۔

## بقیہ: اداریہ

کھپا رہے ہیں کہ ان کا غلبہ کس طرح دائمی اور ہمیشگی کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ لہٰذا وہ آنے والے ماہ و سال کی نہیں بلکہ صدیوں کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ آج کے مسلمان کو سوچنا ہوگا کہ کفر اور باطل کے اِس غلبے سے وہ کس طرح نجات حاصل کر سکتا ہے۔ غالب قوت کو زیر کرنے کے لیے اُس سے بڑھ کر کچھ کرنا ہوگا۔ امریکہ اور یورپ کی صرف ایک آنکھ کھلی ہے۔ مادی ترقی اور دنیا پر غلبہ کے سوا اُن کا کوئی ہدف نہیں۔ اُنہوں نے روحانیت اور اپنے خداوند کو گرجا گھر میں قید کر رکھا ہے۔ وہ اُس سے ملاقات ہفتہ وار کرتے ہیں' پھر اُسے اپنے ذہن کے ہر گوشہ سے کھرچ دیتے ہیں۔

ہم اگر غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتارنا چاہتے ہیں اور اِس دشمن غالب قوت کو پچھاڑنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ ایک طرف ہم اللہ اور اُس کے رسول سے از سرِ نو اپنے رشتہ کو استوار کریں اور دین کے حوالے سے اپنے اسلاف کے طرزِ عمل کو اپنائیں اور دوسری طرف دنیوی معاملات میں جدت پسندی کو شرعی حدود میں محصور کر کے دنیا پر سبقت حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور صحیح معنوں میں رات کے راہب اور دن کے مجاہد بنیں۔

آج سے دو صدیاں پہلے ایک مردِ حُر نے کہا تھا: ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے'' مراد یہ تھی کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ آج مسلمان کثیر تعداد میں دنیا کے چار سو پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن کے پاس بے تحاشہ دولت اور قدرتی وسائل ہیں۔ وہ دنیا میں بہت بڑے رقبے کے مالک ہیں' لیکن عزت و وقار نام کی کوئی شے اُن کے پاس نہیں ہے۔ اِس لیے کہ اُن کی دونوں آنکھیں بند ہیں۔ بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ قرآن پاک کی صورت میں روشنی کا مینار اُن کی بغل میں ہے لیکن آنکھوں میں نور نہ ہو تو چمکتا سورج بھی راہ نہیں دکھا سکتا۔ ہلاکو اور چنگیز کبھی ہدیہ اور تاوان قبول نہیں کیا کرتے۔ زندگی کو بہرحال ختم ہو جانا ہے۔ یہ ہمارا فیصلہ ہوگا کہ شیر کی راہ اختیار کریں یا گیدڑ کی!


## آیئے! وقت کو قیمتی بنایئے خود سیکھیے اور سکھایئے

گلی گلی کوچہ کوچہ دعوت دین پہنچایئے
خیر الناس من ینفع الناس بن کر اعلائے کلمۃ اللہ میں جت جایئے

سہ روزہ' ہفت روزہ پروگراموں میں وقت دے کر اپنے فکر کے استحکام' اور دین کے حرکی تصور کی تربیت حاصل کریں' داعی الی اللہ بنیں اور دیگر تنظیمی و انتظامی اُمور میں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔ آمین!

آئندہ پروگرام ان شاء اللہ تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب جنوبی کے زیر اہتمام

**9 تا 11 دسمبر 2005**

**بمقام: 25A آفیسرز کالونی نزد چونگی نمبر 9' ملتان میں ہوگا**

برائے رابطہ: ظفر اقبال' فون نمبر: 062-2280632

منجانب: **شعبہ دعوت و تفریغ اوقات' تنظیم اسلامی**



## ضرورت رشتہ

☆ اکلوتا بیٹا' جو نابینا ہے' عمر 26 سال' تعلیم ایف اے' سکونت لاہور کے لیے دینی مزاج کی حامل تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: بیگم خاور عمر: 042-6671065



تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

## سید قطب شہید کی نگاہ میں

# تحریک اسلامی کی تصویر

سید قاسم محمود

الاخوان المسلمون اور اسلام کی اولین تحریک کا باہمی موازنہ کر کے ہم دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ عصر حاضر میں اسلامی تحریک کو انہی حالات کا سامنا ہے جو اسلام کی اولین دعوت کے زمانے میں پائے جاتے تھے' خصوصاً اس اعتبار سے کہ موجودہ معاشرہ اسلامی عقائد کی حیثیت سے روشناس نہیں رہا۔ وہ اسلامی نظام اور اسلامی شریعت ہی سے دُور نہیں ہوا' بلکہ اس نے اسلامی قدروں اور اسلامی اخلاق سے بھی روگردانی اختیار کر لی ہے۔ اِدھر یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف صیہونی اور صلیبی استعماری طاقتوں نے اپنی باہمی رسّہ کشی کے باوجود اسلامی دعوت کو مٹانے کے لئے اتحاد کر رکھا ہے اور اسلام کے نام لیوا ادارے اور تنظیمیں' خواہ ان کا دائرۂ کار محدود تر ہو' ان کا خصوصی ہدف ہیں۔ اس مقصد کے لئے جس طرح کی سازش کی جائے' اور جو طریق کار اختیار کئے جائیں وہ سب روا ہیں۔

دشمن کا یہ حال ہے کہ وہ اس کام سے کسی لمحے غافل نہیں' مگر اسلامی تحریکات کا یہ مشغلہ رہ گیا ہے کہ محدود علاقائی و ملکی سیاست بازی میں اپنی صلاحیتیں کھپا دیتی ہیں اور یہ طے کرنے میں لگی رہتی ہیں کہ فلاں ملک سے معاہدہ ہو یا فلاں ملک سے اعلانِ جنگ ہو' فلاں پارٹی سے مفاہمت ہو اور فلاں پارٹی سے دشمنی۔ اسلامی تحریکات کا ایک کام یہ بھی ہو گیا ہے کہ وہ حکومتوں سے مطالبہ کریں کہ اسلامی نظام نافذ کریں اور شریعت کے مطابق حکومت چلائیں' جبکہ معاشروں کا حال یہ ہے کہ وہ اسلامی عقائد اور ان کے تقاضوں کے سمجھنے کے اہل رہے ہیں' نہ عقیدے کے تحفظ میں کسی حمیت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کی زندگی میں اسلامی اخلاق کوئی مقام بنا سکتے ہیں۔ اس لئے اسلامی تحریکات کو اپنے کام کا آغاز بالکل ابتدائی سطح سے اور بنیادی فرائض سے شروع کرنا پڑے گا۔

بیداری کے لئے اسلامی عقیدے کا مفہوم دلوں اور دماغوں میں از سرِ نو پیدا کرنا ہوگا۔ اس دعوت کو جو قبول کرے اور صحیح مفہوم تک پہنچ جائے' اُس کی اس طرح تربیت ہو کہ وہ اسلام کے رنگ میں رنگ جائے اور وقتی اور عارضی نوعیت کے سیاسی' بنتے بگڑتے واقعات میں دلچسپی لے کر وقت ضائع نہ کرے۔ نیز اس محدود کوشش سے بھی بچے کہ اسلامی نظام بزور نافذ کر کے اسلامی حکومت تو قائم کر دی جائے گی' مگر اسلامی معاشرہ اسے ذہنی طور سے قبول کرنے اور خود سے اپنے اوپر وہ نظام نافذ کرنے کا اہل ہو نہ اس کے لیے تیار۔ حالانکہ اگر معاشرہ یہ رنگ اپنا لے تو حکومت کو خود اس راہ پر لایا جا سکتا ہے۔

پوری تحریک کا ڈھانچہ اسی طرح کے تربیتی نظام پر استوار کیا جانا چاہئے..... مگر اس کے پہلو بہ پہلو ایک اور منصوبہ بھی تیار کرنا پڑے گا' جس کا مقصد خارجی شب خون سے تحریک کو اور اس سے وابستہ افراد کو بچانا ہو کہ سرگرمیاں بھی جاری رہیں اور تحریکی افراد آسانی سے غیر ملکی سازشوں کو بروئے کار لانے والوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بھی نہ بن سکیں' جیسا کہ اخوان کے ساتھ 1948ء' 1954ء اور 1957ء میں ہوا۔ دوسری اسلامی تحریکات کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے' جس کی ایک مثال پاکستان کی ''جماعتِ اسلامی'' ہے جسے اسلام کی علمبرداری کے نتیجے میں ویسی ہی عالمی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا' جیسا کہ اخوان کے ساتھ ہوا۔

یہ تحفظ کس طرح حاصل ہوگا؟ ہمارے ذہن میں یہ تھا کہ جماعت کے اندر ہی اس کے لئے ایک اعلیٰ تربیت یافتہ شعبہ قائم کیا جائے جو کمانڈوز پر مشتمل ہو جو اسلام کے اصول و احکام کے ماننے والے ہوں' اخلاقی و نظریاتی اعتبار سے دین سے وابستہ ہوں' پھر فنِ حرب سے واقف ہوں' بہادر اور جاں باز ہوں۔ یہ کمانڈوز کسی طرح بھی اپنی طرف سے زیادتی کا آغاز نہیں ہونے دیں گے۔ انہیں حکومت وقت سے دلچسپی ہوگی نہ اُس کے خلاف سیاست بازی سے اور نہ اکھاڑ پچھاڑ سے۔ اگر تحریک کو اپنے تربیتی منصوبے پر عمل کرنے دیا جائے' افہام و تفہیم کا عمل جاری رہے' اس دعوت کو راستے سے ہٹانے کے لیے کسی طرح کی زیادتی اور طاقت کا استعمال نہ ہو اور اس سے وابستہ افراد بے خانماں برباد نہ کئے جائیں تو یہ کمانڈوز کسی طرح کی مداخلت نہ کریں گے' مگر جب بھی تحریک پر ایسا حملہ ہو تو وہ ظالم کا ہاتھ پکڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور تحریک کی بحالی کی حد تک طاقت کا جواب طاقت سے دیں گے۔

غرض یہ کہ اسلامی نظام کا نفاذ اور اللہ کی شریعت کے مطابق حکومت چلانے کی مہم ایسی نہیں کہ اسے وقتی انداز کی سیاست سے حاصل کر لیا جائے۔ اسے اس وقت تک حاصل ہونا ممکن نہ ہوگا' جب تک خود معاشرہ اس کی طرف پیش قدمی نہ کرے۔

اسلامی تحریک کی یہ وہ تصویر ہے جسے میری حس نے جس طرح اخذ کیا' بھائی ہواش بھی اسی طرح محسوس کر رہے تھے۔ کرنے کا کام یہ تھا کہ اخوان کے دوسرے ارکان تک یہ پیغام پہنچایا جائے اور جو ذریعہ میسر آ سکے' اسے کام میں لایا جائے' اور جو ہم آہنگ اور ہم خیال ہوں' اُن کے ساتھ تحریک کا آغاز ہو۔

1962ء کے آغاز میں اس تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ اس طرح کہ میں نے قید میں بند اخوان سے رابطہ قائم کرنے اُن تک اپنے احساسات پہنچانے شروع کئے۔

یہ قیدی زیادہ تر قناطر جیل کے تھے جو لیمان طرۃ جیل میں علاج کی غرض سے لائے گئے تھے۔ ملنے کا موقع اُس وقت آتا جب وہ پریڈ کے لئے جیل کے صحن میں جمع ہوتے۔ ظاہر ہے ملاقاتیں سب سے نہ ہو سکتی تھیں' صرف چند قیدی تھے جن سے ملنے کا موقع ملا۔

میں اُس وقت اخوان کی جماعت میں صرف ایک فرد تھا۔ یہ صحیح ہے کہ اخوان مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور مجھے ایک اسلامی مفکر اور مصنف کے طور پر یوں اہم ممبر مانتے تھے کہ میرے تجربے اور اسلامی خدمات سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے باوجود جماعت کے تنظیمی ڈھانچے یا اس کی فکری قیادت میں میرا کوئی حصہ نہ تھا۔ یہ کام صرف رہنما ادارے کا تھا یا جس کو وہ ذمہ داری سونپے۔ میں نہ اس

> اسلامی تحریک کو بیداری کے لیے اسلامی عقیدے کا مفہوم دلوں اور دماغوں میں از سرِ نو پیدا کرنا ہوگا' تاکہ اس کے کارکنان کی اس طرح تربیت ہو کہ وہ اسلام کے رنگ میں رنگ جائیں اور وہ وقتی نوعیت کے سیاسی بنتے بگڑتے واقعات میں دلچسپی لے کر اپنا وقت ضائع نہ کریں

ادارے کا ممبر تھا نہ مجھے اس کی طرف سے ایسی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ جو قیدی قناطر جیل سے آئے انہوں نے مجھ سے تبادلۂ خیال کیا کہ اسلامی تحریک کا انداز کیا ہونا چاہئے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اسلامی عقیدے کا صحیح مفہوم کیا ہے اور اس وقت انسانی معاشرے اس سے کتنے دور ہو چکے ہیں اور یہی حال مسلمان معاشروں کا بھی ہو چکا ہے، جن کے ہاں دین ایک آبائی میراث کی شکل میں منتقل ہوتا آ رہا ہے اور اس کی صحیح روح غبار آلود ہو گئی ہے۔

ان سننے والوں میں سب ایک عمر کے تھے نہ ایک سطح کے۔ بعض مزدور پیشہ تھے اور بعض مختلف سطح کے طالب علم جو ذہنی پختگی کے اعتبار سے ایک سطح کے نہ تھے۔ پھر بعض سے ملاقات صرف گھنٹے دو گھنٹے کی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے قناطر جیل جا کر جو بات پہنچائی وہ اس سے مختلف ہو سکتی ہے، بلکہ بگڑی حالت میں بھی پہنچی ہو گی۔ ہاں کچھ نہ پوری امانت سے منتقل کیا ہو گا۔ اس وجہ سے انہوں نے مجھ سے ان کتابوں کی فہرست مانگی جو اخوان کے مطالعے میں بنیادی حیثیت سے رکھی جائیں۔ میں نے منتخب کتابوں کی فہرست بنا کر انہیں بھجوا دی۔ پھر ایک تربیتی پروگرام دے لیا جو مختلف گروپوں کے لئے تھا۔

1962ء سے 1964ء تک ایسے ایک سو (100) گروپ بن چکے تھے جو اس طرح تقسیم کئے جا سکتے ہیں: 25 گروپ تو اس مطالعے کے نظام سے ہم آہنگ ہو چکے تھے اور اسلامی عقیدے کا صحیح تصور نیز اسلامی تحریک کے صحیح دائرۂ کار کو پا چکے تھے۔ تقریباً 23 گروپ وہ تھے جو اس طرز فکر کے مخالف تھے، کیونکہ جماعت کے رہنماؤں کی طرف سے اس کی تائید نہیں ملی تھی۔ تقریباً 50 گروپ وہ تھے جو مطالعے کے مرحلے سے گزر رہے تھے، مگر ابھی کسی واضح نتیجے تک نہ پہنچے تھے، یہاں تک کہ جیل کی مدت ختم ہو گئی اور 1965ء میں سب رہا کر دیئے گئے۔

جن حضرات نے مطالعے میں حصہ لیا اور اس فکر کو ہضم کیا، ان میں سرفہرست یہ تھے:
مصطفیٰ کمال، رفعت صیاد، سید عید، فوزی نجم، طوخی، صبری عرفہ، عبدالمجید ماضی وغیرہ۔

وہ لوگ جنہوں نے اس فکر کی شدت سے اور کھل کر مخالفت کی، ان میں سرفہرست یہ تھے: امین صدقی، عبدالرحمن بنان، لطفی سلیم، عبدالرحمن جلال وغیرہ۔

وہ گروپ جو اسلام کا صحیح مفہوم پا چکا تھا اور اس کی طرف دعوت بھی شروع کر چکا تھا اس کے کئی افراد مجھ سے رہائی کے بعد ملنے آئے، مگر ایک تو رہائی کی مدت آٹھ ماہ تھی، پھر ملاقاتیں بھی گنی چنی، وقت بھی کم۔ اس لئے ان لوگوں کے ساتھ بہت تفصیل سے نشستیں نہ رہیں۔ مصطفیٰ کمال سے میری صرف ایک بار ملاقات ہوئی۔ رفعت صیاد سے چھ بار، سید عید سے دس بار یا کچھ زیادہ، فوزی نجم سے تین بار، طوخی سے تین بار، سید دسوقی سے تین چار بار۔ ان کے علاوہ اور لوگوں سے ایک ایک بار ملا۔

## تربیت و اصلاح کا نیا انداز

رہائی کے بعد میری ملاقاتیں ان نوجوانوں سے ہوئیں جو اسلامی مزاج رکھتے تھے اور اکثر کا تعلق الاخوان المسلمون سے باقاعدہ طور پر تھا، جیسے عبدالفتاح اسماعیل، علی

> پہلے اُن کا خیال تھا کہ مسئلہ بس یہی ہے کہ ایک رضا کار فدائی تنظیم بنا کر اخوان مخالف عناصر کو ختم کر کے اسلامی نظام کا اعلان کر دیا جائے مگر اب احساس ہوا کہ کام کرنے کا میدان کہیں بڑا ہے کیونکہ حکومت بنانے سے پہلے معاشرہ کی تربیت اور تعلیم ضروری ہے

عشماوی، احمد عبدالمجید، مجدی، صبری وغیرہ۔ ان سے معلوم ہوا کہ انہوں نے چار سال پہلے ایک تنظیم بنائی تھی۔ اس میں وہ لوگ بھی تھے جو قید ہوئے تھے۔ زیادہ تر گرفتاری سے بچے رہے تھے اور بعض اخوان سے باقاعدہ تعلق نہ رکھتے تھے۔ ان کا جوڑ اس طرح بنتا گیا کہ ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ تحریک اسلامی کا احیا ضروری ہے، مگر موجودہ حالات میں طرز عمل کو بدلنا ہو گا۔ آغاز میں وہ لوگ اپنے گرفتار ساتھیوں کے خاندانوں کے لئے چندہ جمع کرتے رہے۔ اس دوران میں ایک دوسرے سے تعارف اور تبادلۂ خیال ہوا۔ افکار کی ہم آہنگی سے تعلقات مستحکم ہو گئے تو انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ ایک جماعت تشکیل دیں گے، تا کہ سب ہم خیال افراد مل کر کام کریں، مگر وہ سب کے سب جوشیلے، ناتجربہ کار نوجوان تھے۔ اس لئے انہوں نے جماعت کے بڑوں میں سے ایسے شخص کو ٹٹولا جو ان کی رہنمائی کر سکے۔ وہ استاذ فرید الحق سے ملے اور قید گاہوں میں رہنماؤں سے بھی بات کی، مگر کوئی راضی نہ ہوا۔

اس وقت انہوں نے طے کیا کہ جب میں رہا ہو جاؤں گا، تو قیادت مجھے سونپی جائے۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو گی کہ انہوں نے میری کتابیں پڑھی تھیں۔ میری تقریریں بھی سنی تھیں، اور انہیں اندازہ ہوا تھا کہ میرے افکار، مشاہدے کو وسعت دیتے ہیں۔ پہلے ان کے خیال میں سارا مسئلہ بس یہی تھا کہ ایک رضا کار فدائی تنظیم بنا کر اخوان کے خلاف ماحول بنانے والے افراد کو ختم کر دیا جائے اور اسلامی نظام کے قیام کا اعلان کر دیا جائے، مگر اب انہیں احساس ہوا کہ معاملہ اس سے زیادہ اہم اور وسیع ہے اور کام کرنے کا میدان کہیں بڑا ہے، کیونکہ حکومت بنانے سے پہلے معاشرے کی تربیت و تعمیر ضروری ہے۔

اب مسئلہ قیادت کا تھا، جس کے لئے وہ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ میرے سامنے دو راستے تھے:

(۱) میں اُن کے ساتھ تعاون کرنے سے قطعی انکار کر دوں۔ اس لئے کہ تنظیم سازی کا مرحلہ میرے منصوبے کے مطابق بہت بعد کا تھا۔ میں اُن کے طریق کار سے متفق نہ تھا، کیونکہ تنظیم میں شامل افراد کی تربیت تو ہوئی نہیں۔ پھر اُن سے وہ نتائج کیسے حاصل کیے جا سکتے تھے جو ایک بامقصد تحریک کے لئے ضروری ہیں۔ رضا کار دستے نظریاتی وابستگی کے بغیر جوش کا شکار ہو جائیں گے اور معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔

(۲) دوسرا راستہ یہ تھا کہ میں اُن کے ساتھ تعاون تو کروں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ طریق کار میں جو بے نظمی ہو گئی ہے، اُس کی تلافی کی جائے اور تحریک اپنے اصلی تصور کی طرف آئے۔ تعاون کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ وہ قابو میں رہیں گے اور جوش میں آ کر غلط قدم نہ اٹھائیں گے۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ وہ اُس وقت شدید قسم کے ردعمل کا شکار تھے۔ پھر اُن کے ساتھ رہ کر ہی یہ ممکن تھا کہ میں اُن کی توجہ اسلامی نظام کے نفاذ سے ہٹا کر عقیدے کی صحت اور اصلاح کی طرف موڑ دوں۔ چنانچہ میں نے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

میں نے از راہِ احتیاط اُن سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ موجودہ حالات میں تحریک اسلامی میں آنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وسیع النظر، عمیق فہم اور اسلام کی گہری معلومات رکھتا ہو۔ پھر تحریک کی تاریخ سے بھی واقف ہو۔ اسے یہ بھی معلوم ہو کہ عالم اسلام کے حالات کیا ہیں۔ گرد و پیش میں کیا طوفان اٹھ رہے ہیں۔ دنیائے اسلام کے سامنے چیلنج کیا ہے اور اس کا جواب کیسے دینا ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا:

''تم لوگ مجھ سے رہنمائی چاہتے ہو، مگر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں لا علاج بیماریوں میں مبتلا ہوں۔ یہ درست ہے کہ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے، لیکن یہ صحیح ہے کہ تقدیر میں اللہ ہی کے پیدا کردہ اسباب اور ظاہری حالات کے مطابق تیاری بھی شامل ہے۔ اس لیے تمہیں یہ بھی کرنا ہے کہ قیادت بھی اپنے اندر ہی سے اٹھاؤ اور ایسے لوگ تیار کرو جو یہ ذمہ داری سنبھال سکیں۔ میری اپنی کوشش تو یہی ہو گی کہ میں اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا کر تمہیں دین سے باخبر کروں اور فکری طور سے تم میں رہنمائی کے جوہر جگاؤں۔ جہاں تک تمہاری دین داری، تقویٰ، اخلاص اور تعلق باللہ کی بات ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ اس اعتبار سے تم لوگوں کا معاملہ قابل اطمینان ہے''۔ (جاری ہے)

# انسان اور زمانہ

محمد حسین

انسان کچھ متضاد سے عناصر کا مجموعہ ہے وہ جس طرح بیک وقت روح بھی ہے اور مادہ بھی اسی طرح بیک آن وہ مجبور بھی ہے اور مختار بھی' اس میں نفسِ امارہ بھی ہے اور نفس لوامہ بھی اسی طرح اس میں بیک وقت تغیر بھی ہے اور ثبات بھی اس وقت ذرا اس کی اسی مؤخر الذکر حیثیت پر غور فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم ہر آن بدلتا رہتا ہے جسم کے اس تغیر کو تجدد امثال کہتے ہیں اس مسلسل تغیر کے باوجود اس میں ایک حقیقت ایسی موجود ہے جو تغیر نا آشنا ہے اور وہ اس کی انا (EGO) ہے جو اس کے جسمانی وجود سے بھی پہلے سے موجود ہے اور زندگی بھر بدلتے ہوئے جسم کے ساتھ رہتی ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور اس وقت بھی جب کہ جسم کا کوئی ذرہ موجود نہیں ہوتا۔

تغیر و ثبات کا بالکل یہی انداز ان قوانین میں بھی موجود ہے جن کے مطابق کوئی قوم زندگی بسر کرتی ہے۔ مسلمانانِ پاکستان بھی ایک قوم ہیں اور ان کی قومیت کی بنیاد دوسری قوموں سے الگ ہے اور یہ قوم جن اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتی ہے یا کرنا چاہتی ہے یا کرنا چاہئے یہ بھی دوسری اقوام کے اصولوں سے مختلف ہیں۔ ہماری قومیت کی بنیاد نسل' وطن' رنگ' زبان یا پیشے وغیرہ پر قائم نہیں بلکہ خاص تصورات و نظریات پر مبنی ہے۔ اسی طرح ہمارے نظامِ زندگی کی بنیاد انسانی قوانین نہیں بلکہ آسمانی ہدایت ہے اور اس آسمانی ہدایت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تغیر و ثبات کا یکساں لحاظ رکھتی ہے۔ جو آئین صرف ثبات کا لحاظ رکھتا ہو اور تغیر سے بے نیاز ہو جائے وہ ناقص ہے۔ اسی طرح وہ قانون بھی نامکمل ہے جو صرف تغیرات کا پرستار ہو اور ثبات کو نظر انداز کر دے۔ آسمانی ہدایت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے اور اس لیے یہ ایک کامل و مکمل دستور العمل ہے۔ اس میں ثبات اور تغیر دونوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں میں لطیف توافق اور محکم تناسب کو برقرار رکھا گیا ہے اسے سمجھنے کے لیے جب ہم قرآن پاک پر غور کرتے ہیں تو اس میں دو طرح کے احکام نظر آتے ہیں ایک وہ احکام ہیں جن میں تغیر و تبدل کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ ازلی و ابدی اور مستقل اقدار ہیں۔ یہ احکام حسن لذاتہ کہلاتے ہیں۔ دوسرے وہ احکام ہیں جو حسن لغیرہ ہیں' اور بجائے خود مقصود نہیں بلکہ صرف ذریعہ ہوتے ہیں اعلیٰ اقدار کے حصول کا۔

آیئے اسے چند مثالوں سے سمجھتے ہیں۔

1۔ قرآن نے کئی جگہ لونڈی غلام کے متعلق احکام دیئے ہیں لیکن ان کا مقصد غلامی کی توثیق نہیں بلکہ ایسا نظامِ زندگی تعمیر کرنا ہے جس میں غلامی کی رسم ہی ختم ہو جائے۔

2۔ قرآن نے محتاجوں اور سائلوں کی اعانت پر بار بار ابھارا ہے لیکن اس کی غرض یہ نہیں کہ دنیا میں ہمیشہ بھیک منگوں اور محتاجوں کا ایک طبقہ ضرور موجود رہے تاکہ ان کی اعانت و دستگیری کا ثواب حاصل کیا جاتا رہے بلکہ اس کی غرض ہی ایسا معاشی نظام بنانا ہے جس سے محتاجی دور ہو جائے اور کوئی کسی کا دست نگر نہ ہو۔

3۔ قرآن نے متعدد جرائم کے لیے سزائیں بتائی ہیں لیکن اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ دنیا میں جرم ہوتے رہیں تاکہ اجرائے حدود کا قرآنی حکم پورا ہوتا رہے بلکہ اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہو جائے۔

4۔ قرآن بار بار قتال و جنگ پر اُبھارتا ہے لیکن اس کا مقصد اس کے بالکل برعکس ہے یعنی وہ آخر کار ایک ایسا نظام امن قائم کرنا چاہتا ہے کہ جنگ کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

5۔ قرآن نے وراثت کے احکام دیئے ہیں لیکن اس کا مقصد جاگیرداری کی توثیق و بقا نہیں بلکہ اسے دوسری تیسری پشت ہی میں ختم کر دینا ہے تاکہ آخر میں ضرورت بھر رہ جائے۔

6۔ قرآن نے طلاق کے متعلق بھی احکام دیئے ہیں لیکن ان میں سے مقصود طلاقوں کو رواج دینا نہیں بلکہ ختم کرنا ہے۔ یہ تو زوجین کی کشیدگی کا آخری حل ہے۔

ان چند مثالوں سے یہ اندازہ تو ہو گیا ہوگا کہ قرآن کے بہت سے احکام ایسے ہیں جو اپنے اصلی مقصد کے ہم شکل نہیں بلکہ ان کی نقیض معلوم ہوتے ہیں۔ یہ گویا علاج بالمثل کی طرح کی ایک ناگزیر علت ہے جو مجبوراً اختیار کرنی پڑتی ہے لیکن خود مقصد نہیں ہوتی۔ ایسے احکام کو ہم حسن لغیرہ کہتے ہیں جو درحقیقت اصلی و ابدی اقدار تک پہنچنے کے لیے ناگزیر زینے ہوتے ہیں۔

زمانے کی بے رحم رفتار کسی فرد یا قوم کے ساتھ رعایت کا سلوک نہیں کرتی۔ جو اس کے ساتھ نہیں چلے گا اسے زمانہ پلٹ کر نہیں دیکھے گا۔ چلنے والا پیچھے رہ جائے گا اور زمانہ آگے نکل جائے گا اور جو بالکل زمانے کے ساتھ چلے گا اسے بھی زمانہ لے ڈوبتا ہے۔ ان دونوں قسموں کی تباہیوں سے بچنے کی صرف ایک شکل ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان زمانے کی دوڑ میں تو پیچھے نہ رہے لیکن اپنے آپ کو کلیتہً زمانے کے حوالے نہ کر دے بلکہ اس کی حیثیت ایک ایسے شہ سوار کی ہو جو گھوڑے کی پیٹھ پر جما ہو اور لگام اس کے ہاتھ میں ہو۔ گھوڑے کی پشت سے الگ ہو کر بیٹھ جانے والے جمود کے مارے ہوئے ہوتے ہیں اور ہمیشہ منزل سے دور رہتے ہیں اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر اسے بے لگام چھوڑ دینے والے سوار بھی آخر کار آگے کسی غلط راہ پر لگ کر تباہی کے خندق میں جا گرتے ہیں۔ صحیح مسافر وہی ہے جو گھوڑے کی پیٹھ سے نہ اترے مگر لگام اپنے ہاتھ میں رکھے اور وحی اور عقل کی راہنمائی کے مطابق غلط سمتوں سے اس کا رخ موڑتا رہے۔

---

ارتقاء ایک حقیقت ہے۔ زندگی آگے بڑھ رہی ہے اور بڑھتی چلی جائے گی۔ ہر دور میں نت نئے مسائل سامنے آتے جائیں گے۔ اس فطری ارتقاء کو روکا نہیں جا سکتا۔ اسے روکنا فطرت سے ٹکر لینا ہے' لیکن اس کی اصلاح ممکن ہے یہی دینِ فطرت کا تقاضا ہے۔

---

زمانہ ہمیشہ آگے سے آگے بڑھتا جائے گا اور ہر دور میں نئے نئے مسائل زندگی پیدا ہوتے رہیں گے جو قوم ان مسائل کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق حل نہیں کرے گی وہ زمانے کی دوڑ میں پیچھے رہ کر ختم ہو جائے گی اور جو قوم عقل و ذہن کو کام میں لائے بغیر اندھا دھند زمانے کے ساتھ دوڑتی جائے گی وہ بھی آخر کار تباہ ہو جائے گی۔ صحیح معنوں میں زندہ قوم وہی ہوگی جو مجتہد ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم اپنے دور کے نت نئے مسائل کو سمجھے اور عصری تقاضوں کے مطابق ان کو حل کرے۔

اس وقت ہماری قوم میں یا تو وہ قدامت پسند طبقہ ہے جو اپنی جگہ سے ایک انچ ہٹنا بھی حرام سمجھتا ہے یا پھر وہ

(باقی صفحہ 18 پر)

# یادوں کی تسبیح

مری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

قاضی عبدالقادر

تحریک میں' تن من دھن سے پوری طرح حصہ لے رہا تھا۔ جماعت کے ہفتہ وار اور دیگر اجتماعات میں پابندی سے شرکت' جماعتی رسائل و جرائد کا مطالعہ' تحریکی رفقاء سے ملاقاتیں' نئے لوگوں کو جماعت کی طرف دعوت دینے کا عمل اب پوری رفتار سے جاری ہو گیا تھا۔ بندر روڈ (اب ایم اے جناح روڈ) پر پرانی سندھ اسمبلی بلڈنگ کے پیچھے خواتین ہال ہے جس میں جماعت کا ماہانہ (مردانہ) عام اجتماع ہوتا تھا۔ اس میں درسِ قرآن حکیم' کسی صاحب کی دعوتی تقریر اور پھر ایک صاحب (غالباً ان کا نام حمید اللہ صدیقی تھا' جو شاید ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کے بھائی ہوں) خبروں پر بڑے دلچسپ انداز میں تبصرہ کرتے تھے۔ میں پابندی سے ان اجتماعات میں شرکت کرتا تھا۔ ایک دفعہ بہت شدید بارش ہوئی۔ ماہانہ اجتماع کا دن تھا۔ گھٹنوں گھٹنوں تک پانی میں بھیگتے بھاگتے جو دو چار افراد وہاں پہنچے ان میں یہ خاکسار بھی شامل تھا۔ اجتماع بہرحال نہ ہو سکا۔

اخبار پڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن اتنی استطاعت نہ تھی کہ اخبار خرید سکوں۔ اس زمانہ میں ''جنگ'' اور صبح کے دیگر اخبارات کی قیمت دو آنے (آج کے بارہ پیسے) اور شام کے اخبارات کی ایک آنہ (آج کے چھ پیسے) ہوتی تھی۔ صبح جب ہم نکلتے (اسکول' دفتر جاتے ہوئے) تو راستہ میں جو بھی شخص کرسی یا چارپائی پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہوتا' ہم وہاں کھڑے ہو کر اخبار کی سرخیاں دیکھنے لگتے تھے۔ وہ شخص اخبار پڑھنے میں مستغرق ہوتا تھا لیکن پھر بھی ایک نظر ہمیں بھی دیکھ لیتا اور شاید ہوشیار بھی ہو جاتا ہو کہ کہیں میں کوئی ''اٹھائی گیرا'' نہ ہوں۔ رات کو آٹھ بجے ریڈیو پاکستان سے اردو میں خبریں نشر ہوتی تھیں۔ گھر کے قریب ''ہوٹل فاروق'' میں ریڈیو کا رُخ باہر کی طرف کر دیا جاتا تھا۔ فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر لوگ خبریں سنتے تھے۔ ہم بھی اُن میں سے ایک ہوتے تھے اور جیسے ہی آواز آتی تھی ''اب آپ شکیل احمد کی زبانی اردو میں خبریں سنئے'' تو سب ہمہ تن گوش (خرگوش نہیں) ہو جاتے تھے۔ اس طرح ہم مفت میں تازہ خبروں کا کوٹا پورا کر کے گھر واپس آ جاتے تھے۔

کراچی جماعت کی طرف سے ایک ہفت روزہ ''نشانِ راہ'' شائع ہوتا تھا۔ اس کے مدیر خواجہ محمد صدیق صاحب سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے ''ابن احمد قرنی'' کا قلمی نام استعمال کرتے تھے۔ (بچوں کے لیے متعدد کتب بھی ان کی تحریر کردہ ہیں)۔ اس رسالہ میں تفہیم القرآن سورۃ الفاتحہ سے سورۂ یوسف تک قسط وار شائع ہوتی رہی تھی۔ ہمارے گھر کے قریب ایک صاحب رہتے تھے' مصطفیٰ ان کا نام تھا' پیشہ کے اعتبار سے انجینئر تھے' جماعت کے ہمدرد تھے۔ انہوں نے ''نشانِ راہ'' کے شماروں سے تفہیم القرآن کے صفحات الگ کر کے جلد بنوالی تھی۔ اس طرح سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۂ یوسف تک تفہیم کی ایک جلد تیار ہو گئی تھی (واضح رہے کہ جلد اول کی اشاعت اس کے کئی سال بعد ہوئی)۔ ہم ایک روز مصطفیٰ صاحب کے پاس بیٹھے تھے کہ انہوں نے تفہیم کی اپنی تیار کردہ جلد دکھائی۔ ہمارے تو دل کی کلی کھل گئی۔ ان سے مستعار لے کر آئے اور پوری پڑھ ڈالی۔

پاکستان مسجد میں ایک دفعہ جماعت کے ہفتہ وار اجتماع کے بعد ایک نوجوان رفیق سے بات ہوئی جو پابندی سے اجتماع میں آتے تھے۔ انہوں نے یہ ''انکشاف'' کیا کہ جماعت اسلامی سے متاثر اسلام پسند طلبہ کی ایک تنظیم بھی ہے۔ ہمیں یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کی قیام گاہ تک اسی موضوع پر باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔ یہ صاحب تھے ابصار عالم بھائی جو بعد میں سندھ یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ہوئے۔ کچھ عرصہ اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ بھی رہے (انتقال ہو چکا ہے' اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے)۔ زندگی بھر مجھ سے بہت ہی محبت سے پیش آتے رہے۔ ان کی مخصوص مسکراہٹ آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔ ابصار عالم صاحب سے معلوم ہوا کہ تنظیم کا نام ''اسلامی جمعیت طلبہ'' ہے اور وہ اس کے رکن ہیں۔ بندر روڈ پر مولانا ظفر احمد انصاری صاحب رہائش پذیر تھے۔ ان کو جو مکان الاٹ ہوا تھا' اس میں ایک Annexe بھی تھی۔ ابصار عالم صاحب کے مولانا انصاری صاحب کے خاندان کے ساتھ روابط الہ آباد ہی سے تھے۔ پاکستان آئے تو رہنے کے لئے انیکسی کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں جگہ مل گئی' جو ان کے لئے کافی تھی۔ وہ مجھے اپنے کمرہ میں لے گئے۔ اسٹوو رکھا تھا۔ گرم گرم چائے بنا کر پلائی' جس میں چینی سے زیادہ ان کے خلوص اور محبت کی چاشنی شامل تھی۔ وہیں پر انہوں نے مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کے صاحبزادے (ڈاکٹر) ظفر اسحٰق انصاری (جنہیں گھر اور باہر کے سب لوگ ''راجہ'' کے نام سے پکارتے تھے) سے میری ملاقات کرائی۔ وہ بھی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن بلکہ رہنما تھے۔ مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے مل کر بہت ہی خوشی ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آج تو وہ ذرا مصروف ہیں' کل چل کر کراچی جمعیت کے ناظم (پروفیسر) خورشید احمد صاحب سے ملاقات کرائیں گے۔ پاکستان مسجد کے جماعت کے اجتماع میں ایک اور صاحب محمد یاسین بھی آتے تھے' بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نوجوان بھی جمعیت کارکن ہے۔

دوسرے دن ہم ذرا دُھلے کپڑے پہن کر اپنے تئیں اچھی طرح تیار ہو کر وقت مقررہ پر راجہ بھائی (ظفر اسحٰق انصاری) کے گھر گئے۔ وہ ہمیں لے کر اور انتہائی خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہوئے ناظم کراچی کے گھر پہنچے' جو فریئر روڈ (اب شاہراہِ لیاقت) پر ویمن کالج کے سامنے بلبلیا مینشن کی پہلی منزل پر ایک فلیٹ میں رہتے تھے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک بہت ہی وجیہہ اور دلکش نوجوان نے دروازہ کھولا۔ علیک سلیک ہوئی۔ یہ خورشید احمد بھائی تھے۔ راجہ بھائی نے میرا تعارف کرایا۔ نہایت گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ اندر اپنے کمرہ میں لے گئے۔ فرشی نشست تھی۔ تفصیلی تعارف ہوا اور دیر تک خوب باتیں ہوتی رہیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہم لوگ ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہوں۔ انیس میاں (ڈاکٹر انیس احمد' وائس چانسلر رفاہ یونیورسٹی اسلام آباد) اندر سے گرم گرم چائے لے کر آ گئے۔ چائے پیتے جاتے تھے جس میں خلوص و محبت کی خوشبو سونگھ رہے تھے۔ جی چاہتا تھا کہ ابھی رکنیت کا فارم بھر کر اس قافلۂ نو بہار میں شامل ہو جاؤں..... لیکن یہ دو آنے والی ممبر شپ نہیں تھی بلکہ اس کے لئے اپنے آپ کو اہل ثابت کرنے کے لئے وقت درکار تھا۔ پتہ نہیں کتنا عرصہ لگے گا۔ گویا ۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

ہم تین کی یہ محفل خاصی دیر تک رہی۔ خلوص اور محبت کا آب زمزم بہہ رہا تھا۔ دوبارہ ملنے کی آرزو لے کر واپس گھر آیا۔ آج میں وہ پہلا سا ''عبدالقادر'' نہیں تھا بلکہ کچھ اور ہی تھا اور یہ ''اور'' الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا۔ شاید اُن کا بھی تاثر یہ ہو کہ ؎

نئے دیوانوں کو دیکھیں تو خوشی ہوتی ہے
ہم بھی ایسے ہی تھے جب آئے تھے ویرانوں میں

بعد میں خرم بھائی (خرم جاہ مراد مرحوم) سے بھی ملاقات ہوئی۔ پتہ چلا کہ اسٹیٹ بنک کے پہلے گورنر زاہد حسین صاحب اُن کے سگے ماموں ہیں۔ کراچی جمعیت کی فاؤنڈیشن ایک مثلث پر قائم تھی جس کے تین اضلاع خورشید بھائی' خرم بھائی اور راجہ بھائی تھے۔ کراچی جمعیت کے پہلے ناظم خورشید بھائی کے بڑے بھائی ضمیر احمد صاحب تھے جو نیوی میں بھرتی ہو کر ٹریننگ کے لیے برطانیہ چلے گئے۔ بعد میں وہ پاکستان نیوی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے' اب مرحوم ہو چکے ہیں۔

مجھ میں ایک عادت بری یا بھلی یہ تھی (ڈرتے ڈرتے کہہ رہا ہوں کہ شاید آپ میں بھی رہی ہو) کہ سڑک پر چلتے ہوئے جہاں مجمع لگا دیکھا' کھڑا ہو جاتا۔ کہیں بندر والا بندر کو نچا رہا ہوتا تو کہیں کوئی منجن' سرمہ یا کوئی دوا بیچتا ہوتا۔ ایسے ہی ایک دفعہ ایک مجمع میں کھڑا تھا' مجمع لگانے والے نے کئی کرتب دکھا کر دوا کی ایک شیشی کی لوگوں کو ''زیارت'' کرائی۔ بقول اس کے' یہ طاقت اور قوت کی دوا تھی۔ اس کی تعریف میں اس نے زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے اور ایسی ایسی باتیں کہیں جنہیں میں اس وقت سمجھ نہ سکا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس دور کا حکیم جالینوس سامنے کھڑا ہے اور اس کی یہ ایجاد اسے بس نوبل انعام دلوانے ہی والی ہے۔ ہم سولہ سال کے ایک نوجوان تھے۔ ہمیں ''طاقت'' اور ''ناطاقتی'' کے بارے میں کوئی ''حقیقی علم'' نہیں تھا۔ ہمارا جسم شروع سے لاغر تھا اور ہم چاہتے تھے کہ یہ توانا ہو۔ ہمارے جسم میں طاقت آئے اور اس طرح ایک احساس کمتری جو تھا وہ ختم ہو۔ ''طاقت کی دوا'' والے نے اپنا خطاب عام ختم کرنے کے بعد کہا کہ یہ دوا بڑے بڑے میڈیکل اسٹوروں پر دس روپے سے کم کی نہیں ملے گی' یہاں پر کمپنی کی مشہوری کے لیے اس کی قیمت ہے صرف ایک روپیہ' ایک روپیہ' ایک روپیہ۔ پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی' لے لو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ قوت حاصل کرو' طاقت حاصل کرو تاکہ کشمیر کو فتح کر سکو' وغیرہ وغیرہ۔ خیال ہے کہ اس کے ''خصوصی آدمیوں'' نے جھٹ ایک ایک روپیہ نکال کر دوا کی شیشی خریدنی شروع کر دی۔ ان کی دیکھا دیکھی کوئی درجن بھر سے زائد لوگوں نے خریدی۔ ہم نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ چودہ آنے نکلے' یعنی روپیہ میں دو آنے کم۔ ہم نے اس سے کہا کہ چودہ آنے ہیں' دینا ہے تو دے دو۔ اس نے ''از راہِ کرم'' کہا کہ لاؤ چودہ آنے ہی سہی' اور دوا دے دی۔ اس نے دوا کے فوری اثر کی گارنٹی دی اور کہا کہ اگر کسی کو کوئی شکایت محسوس ہو تو جناح اسپتال کے فلاں اسٹاف کوارٹر میں مجھ سے ملاقات کر سکتا ہے۔ کوارٹر کا مکین ڈاکٹر (جس کا نام بھی بتایا) میرا بھتیجا ہے۔ لوگ اور مرعوب ہوئے اور دوا کی مزید شیشیاں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ ہم سینہ پھلائے اس دوا کو لے کر گھر آئے اور کپڑوں کے صندوق میں چھپا کر رکھ دی تاکہ گھر والوں کو پتہ نہ چلے کہ یہ کیا ہے اور اس پر کتنی رقم خرچ کی گئی ہے۔ ہم خوش تھے کہ کل صبح سے اس کا استعمال باقاعدگی سے شروع کریں گے اور ایک ہفتہ کی ریکارڈ مدت میں ہماری لاغری ختم ہو جائے گی اور ہم موٹے ہونا شروع ہو جائیں گے۔

اس وقت تک ہمیں شیخ سعدی کے اس شعر کا علم نہیں تھا۔

اسپ لاغر میاں بکار آید
روزِ جنگ نہ گاوِ پرواری

یعنی جنگ کے دن موٹی تازی گائے کام نہیں آتی' ہاں لاغر گھوڑا کام آجاتا ہے۔ رات ہم نے آنکھوں میں کاٹی۔ صبح شیشی نکال کر جو کھولا تو آنکھوں کے آگے دن میں تارے ناچنے لگے۔ ایں' یہ کیا؟ شیشی بالکل خالی تھی!! دوا کہاں گئی؟ کون پی گیا؟ نہیں' نہیں' اس شخص نے غلطی سے خالی شیشی دے دی ہوگی۔ ہم نے ''رختِ سفر'' باندھا' سیدھے جناح اسپتال پہنچے۔ اس کے بتائے ہوئے اسٹاف کوارٹر پر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے زنانہ آواز آئی: کون؟ ہم نے کہا کہ فلاں صاحب ہیں؟ ہمارا خیال تھا کہ اب وہ صاحب نکلیں گے' اندر بٹھائیں گے' چائے وائے پلائیں گے اور معذرت کر کے دوسری شیشی ''عطا'' فرمائیں گے کہ اندر سے آواز آئی کہ یہاں اس نام کا کوئی نہیں رہتا۔ ہم نے کہا: کیا مطلب؟ فلاں ڈاکٹر صاحب کے محترم چچا صاحب یہاں نہیں رہتے جو طاقت کی دوا بیچا کرتے ہیں؟ اتنا کہنا تھا کہ اندر سے جواب اتنا تند و تیز آیا کہ ہمیں واقعی وہاں سے بھاگنا پڑا۔

یہ قصہ تو یہاں ہوا ختم۔ اب آیئے ''طاقت'' اور ''قوت'' کے الفاظ کی طرف..... ان کے بھی کئی معنی اور قسمیں ہیں۔ میں یہاں تین قسمیں گنواؤں گا۔ (دیکھئے میں اب سنجیدہ ہوں۔ باملاحظہ ہوشیار!)

1) ایک تو ''طاقت'' اور ''قوت'' وہ ہے جو ہم سمجھتے تھے یعنی یہ کہ جسم کی لاغری ختم ہو کر کچھ توانائی حاصل ہو جائے۔ یہ طاقت کا بڑا معصوم سا تصور ہے۔

2) ''طاقت'' اور ''قوت'' کا دوسرا مفہوم وہ ہے جس کو حاصل کرنے کی تمنا ان جوانوں اور بڑوں کو ہوتی ہے جو کسی وجہ سے ''ناطاقتی'' کا شکار ہو جاتے ہیں۔

3) ایک تیسری ''طاقت'' اور ''قوت'' ہے' جسے کہتے ہیں ''تحریک کی قوت''۔ جن کا تعلق کسی تحریک سے ہو' ان کی یہ ضرورت ہے' جس کی تشریح مولانا مودودی مرحوم نے اس طرح کی کہ:

''قوت ڈھل جانے کا نام نہیں' ڈھال دینے کا نام ہے۔ مُڑ جانے کو قوت نہیں کہتے' موڑ دینے کو کہتے ہیں۔ دنیا میں کبھی نامردوں اور بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ جو لوگ کوئی اصول' کوئی مقصدِ حیات' کوئی نصب العین نہ رکھتے ہوں' جو بلند مقصد کے لیے قربانی دینے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں' جو خطرات و مشکلات کے مقابلے کی ہمت نہ رکھتے ہوں' جن کو دنیا میں محض آسائش و سہولت ہی مطلوب ہو' جو ہر سانچے میں ڈھل جانے اور ہر دباؤ سے دب جانے والے ہوں' ایسے لوگوں کا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انسانی تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔''

.....اور.....

''یہ شریعت ان بہادر شیروں کے لئے اتری ہے جو ہوا کا رخ بدل دینے کا عزم رکھتے ہوں' جو دریا کی روانی سے لڑنے اور اس کے بہاؤ کو پھیر دینے کی ہمت رکھتے ہوں' جو صبغۃ اللہ کو دنیا کے ہر رنگ سے زیادہ محبوب رکھتے ہوں اور اسی رنگ میں تمام دنیا کو رنگ دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ مسلمان جس کا نام ہے وہ دریا کے بہاؤ پر بہنے کے لیے پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کی آفرینش کا مقصد ہی یہ ہے کہ زندگی کے دریا کو اس راستہ پر رواں کر دے جو اس کے ایمان و اعتقاد میں راہِ راست اور صراطِ مستقیم ہے۔ اگر دریا نے اپنا رخ اس راستے سے پھیر دیا ہے تو اسلام کے دعوے میں وہ شخص جھوٹا ہے جو اس بدلے ہوئے رخ پر بہنے کے لیے راضی ہو جائے۔ حقیقت میں جو سچا مسلمان ہے وہ اس غلط رو دریا

(باقی صفحہ 18 پر)

یہ شریعت اُن بہادروں کے لئے اُتری ہے جو ہوا کا رخ بدلنے کا عزم رکھتے ہوں

حقیقت میں سچا مسلمان وہ ہے جو غلط رو دریا کی روانی سے لڑتا رہے۔ مشکلات کی پروا نہ کرے

# یہ صہیونیت نواز لبرل دانشور!

حافظ شفیق الرحمٰن

شومئی قسمت کہ ہمیں ''مہلتِ حیات'' اور فرصتِ زیست ملی بھی تو کس ''دورِ سیاہ کار'' اور ''عہدِ ظلمت طراز'' میں! یہ وہ دورِ سیاہ کار ہے کہ ہر شاخ پر ''رات کے شہباز'' چہچہا رہے اور ہر فضا میں چمگادڑیں اڑانیں بھر رہی ہیں۔ یہ وہ عہدِ ظلمت طراز ہے جس میں خزاں گزیدہ شب کے تاریک سناٹے بہار کے سورج کو یرغمال بنانے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ اس بحرِ ظلمات میں زندگی کا آفتابی سفینہ تاریک موجوں کا جگر چیرتے ہوئے وصلِ حبیب کے ''صبح رنگ ساحل'' کی جانب رواں دواں ہے۔ اس خوش آئند عمل کے باوجود یہ ''دورِ سیاہ کار'' اور عہدِ ظلمت طراز'' وہ ہے جس میں حق کشی اور مسلم آزاری کے لیے عالم اسلام کے اغراض پرست مقتدر طبقات نے باطل کے سرپرستوں اور کفر کے مدار المہاموں سے ساز باز کر رکھی ہے۔ کیا قیامت ہے کہ باطل اور کفر کے ساتھ اقتدار پرستوں کی ''مفاہمت'' اور ''مصالحت'' کو بعض ''درباری علمائے'' میثاق مدینہ کا اتباع اور صلح حدیبیہ کی پیروی قرار دے کر مراعات کے لوشے لوٹ رہے اور مفادات کے لشکارے سمیٹ رہے ہیں۔

اغراض' مفادات اور مصلحتوں کے ساون میں بصیرت کی روشنی اور بصارت کے اجالے سے تہی دامن ہو جانے والے ان اندھوں کے ''مشاہدے کی معراج'' یہ ہے کہ انہیں ''غارتِ چمن'' کے شعلہ رو موسموں کی تمازت آفرینیوں میں بھی ہر اہی ہرا سوجھتا ہے۔ حق کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے باطل کے ساتھ کیے جانے والے باطل معاہدوں کو ''کرسیوں کے دیمک'' میثاقِ مدینہ اور صلح حدیبیہ کے شنیع سے تعبیر کرتے رہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ باطل کے علمبردار مہابلیوں اور ان کے مفاد پرست نورتنوں کی زنگ خوردہ عقل و دانش کی ٹکسال میں اسی قسم کے کھوٹے سکے ڈھلا کرتے ہیں۔ فطرت ان نابکاروں کے دلوں اور دماغوں پر مہر لگا دیتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی بھی دور کے کسی بھی مہابلی کے کسی بھی ابوالفضل اور فیضی کو شرح صدر کے ساتھ کتاب زندہ کے مطالعے کی توفیق ارزاں کی جائے۔

صلیب کی بالادستی کے لیے افغانستان کی امارت اسلامی پر لاؤ لشکر لے کر چڑھائی کرنے والے صلیبی سامراج کے ہم نوا حکمرانوں اور ہم خیال دانشوروں نے سفلی اور وقتی بلکہ جزوقتی مفادات کے حصول کی آس میں عالم اسلام کے سادہ لوح مسلمانوں کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا۔ مفادات کے حصول کے لالچ میں انہوں نے ایک سنگین جرم کا ارتکاب کیا۔ یہ اس سراب کے پیچھے بھاگ بھاگ کر ہلکان ہو جائیں گے لیکن یہ سراب کبھی چشمہ آب نہ بن پائے گا۔ سلامتی کا رستہ پانے اور فلاح کی منزل تک پہنچنے کی تڑپ لے کر جو طالب علم کتاب ہدایت کے اوراق سے فیض پاتے ہیں' وہ شرح صدر کے ساتھ اس امر کا ادراک رکھتے ہیں کہ اربابِ کفر صاحبان ایمان کے دوست نہیں ہو سکتے۔

بادۂ توحید کے مستانوں اور شمع رسالت ﷺ کے پروانوں کے لیے حکم ربانی حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس حرفِ آخر اور نصِ صریح کے سامنے کسی ایف اے پاس جرنیل' پی ایچ ڈی پروفیسر یا غامدی ایسے خانہ ساز عبقری کی رائے پرکاہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ارشاد ربانی ہے:

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ' یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے تو ان کو دیکھتا ہے کہ دوڑ دوڑ کر ان سے ملے جاتے ہیں' کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے۔ سو قریب ہے کہ اللہ فتح دے یا اپنے ہاں سے کوئی حکم بھیجے پھر وہ ان پر نادم ہو جائیں گے' جسے اپنے دل میں چھپاتے تھے'' (المائدہ)

اسی سورۃ کی آیت نمبر 57 کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہوتا ہے اور شاید اس ارشاد ربانی پر ''جانشین شیخ التفسیر'' سیلف میڈ ''امام الہدیٰ'' اور خانہ ساز ''شیخ الشیوخ'' مولانا اجمل قادری اعلیٰ اللہ مقامہ کی ''نگاہ معرفت شناس'' پڑی ہو:

''اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی' یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو۔ آپ ان سے کہہ دیجیے خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر) اگر آپ اپنے پاس علم (یعنی وحی خدا) کے آ جانے پر بھی ان کے خواہشوں پر چلیں گے تو آپ کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار''۔

(پارہ 1: رکوع 14 آیت 8)

مخدوم الملکوں' صدر جہانوں' صدر الصدوروں' ابو الفضلوں' فیضیوں اور ملامباروں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حالات اور مہابلیوں کے مزاج بدلتے دیر نہیں لگا کرتی۔ مہابلیوں کی مذہبی بوالعجبیاں بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی رہتی ہیں۔ کیا خبر کہ کب مہابلی ''جشن'' منانے کے لیے شاہی سائبان تلے تخت مرصع پر فروکش ہوں اور صاعقۂ آسمانی آ لے۔ انانیت اور مطلق العنانیت کے گراف کو نیچے لانے کے لیے کارکنانِ قضا و قدر کی معمولی سی سرزنش ہی کافی ہوتی ہے۔ جب سرزنش کا کوڑا حرکت میں آتا ہے تو مہابلی کو ''بادشاہ عادل' امام وقت' سلطان الاسلام' کہف الانام' ظل اللہ علی العالمین اور مجتہد روزگار'' کے القابات و خطابات سے نوازنے' اور ''دین اسلام مجازی و تقلیدی'' کو ترک کرنے کے عہد نامے لکھ کر دینے والے درباری ملاؤں اور سرکاری علماؤں کے لیے مال' آل اور کھال تینوں کا بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔

**ہماری ہزار جانیں قربان اس زبان حق پر جس نے فرمایا تھا کہ ''مجھ کو بڑا خوف گمراہ کرنے والے پیشواؤں سے ہے''۔ آج اس قسم کے پیشوا سینکڑوں ہزاروں حشرات الارض کی طرح روئے زمین' صفحہ ہائے اخبارات اور پردہ ہائے سکرین پر کلبلانے میں مگن ہیں**

ہماری ہزار جانیں قربان اس زبان حق پر جس نے فرمایا تھا کہ مجھ کو بڑا خوف گمراہ کرنے والے پیشواؤں سے ہے''۔

(باقی صفحہ 18 پر)

## ☆ کیا دوکان یا مکان کا کرایہ زمین کا سود نہیں ہے؟
## ☆ کسی شخص سے سوال کرنا کیسا ہے؟ ☆ کیا اسلام میں جمہوریت ہے؟
## ☆ اسلامی تصور ملکیت اور اشتراکی تصور ملکیت میں کیا فرق ہے؟

قارئین ندائے خلافت کے سوالات کے قرآن و سنت کی روشنی میں جوابات

**س:** کیا کسی شخص سے سوال کرنا شرک ہے؟

**ج:** ایک ہے مادی سطح پر اللہ کے سوا کسی سے کچھ مانگنا' مثلاً کسی سے کہنا کہ ذرا مجھے پانی پلا دیجیے' اس میں کوئی حرج نہیں! یہ عالم مادی ہے' عالم خلق ہے' اِس میں ایک دوسرے سے مدد طلب کی جاسکتی۔ دوسرا غیر مرئی (unseen) عالم ہے۔ اس میں اگر کوئی اللہ کے سوا کسی اور سے سوال کرے' مدد مانگے' استعانت چاہے' تو اِس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا یہ عمل شرک ہے' قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝۱۸﴾ (الجن) یعنی ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو''۔ ہم رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح ہم فرشتوں کو مانتے ہیں۔ کراماً کاتبین سب کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں کہیں اللہ کی کتاب کی تعلیم ہوتی ہے وہاں فرشتے آ کر اس پورے مجمع کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں' لیکن ہم فرشتوں سے نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا یہ کام کردو۔ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہیں پکار سکتے۔

**س:** کیا اسلامی اور اشتراکی تصور ملکیت ایک جیسے ہیں؟

**ج:** اشتراکی فلسفہ کی رُو سے ملکیت افراد کی نہیں' بلکہ ریاست کی ہے۔ اسلام ملکیت حقیقی کی کامل نفی کرتا ہے۔ اُس کے نزدیک حقیقی ملکیت کسی کی بھی نہیں ہے' نہ ریاست کی' نہ قوم کی' نہ فرد کی۔ بلکہ صرف اللہ کی ہے۔ البتہ اس دنیا میں اسلام نے ہمیں استفادہ کا حق دیا ہے' مثلاً یہ میرا گھر ہے' میں نے بنایا' مجھے حق حاصل ہے کہ میں اس میں رہوں۔ قانونی سطح پر اسلام نے ملکیت کے اس مجازی تصور کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اس کا حقیقت حال کے اعتبار سے یہ تصور بنے گا کہ یہ گھر میرا نہیں بلکہ اللہ کی عطا ہے۔ ملکیت کے معروف معنوں میں یہ تصور آجاتا ہے کہ میں جو چاہوں کروں۔ لیکن اسلام کہتا ہے کہ نہیں یہ تمہاری ملکیت نہیں ہے بلکہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے امانت ہے جسے تم اصل مالک کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کرسکتے۔ بالکل اسی طرح جیسے اللہ کی مرضی کے خلاف' اپنا ہاتھ بھی استعمال نہیں کرسکتے' اپنی آنکھ استعمال نہیں کرسکتے۔ اپنے پاؤں استعمال نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہی اعضاء قیامت کے دن ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ الغرض ایمان کی سطح پر اور روحانی سطح پر ملکیت حقیقی کی نفی ہے البتہ قانونی سطح پر اسلام ملکیت کو مجازی معنی میں تسلیم کرتا ہے۔

**س:** کیا اسلام میں جمہوریت ہے؟

**ج:** اسلام میں اس حد تک جمہوریت ضرور ہے کہ اسلام میں امیر منتخب کرنے اور حکومت بنانے کے لیے لوگوں کی رائے اور مشورے کو اہمیت دی گئی ہے۔ حکم ہے کہ لوگوں کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوں گے۔ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ (شوریٰ:38) یعنی ''اُن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔'' اسلامی نظام میں انسانوں کی بہبود بھی حکومت پیش نظر رہے گی۔ اسلام کے سیاسی نظام کی رُو سے مغربی جمہوریت میں عوامی حاکمیت (Popular Sovereignty) کا تصور کفر ہے۔ کیونکہ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ کے لیے ہے۔

سروری زیبا فقط اُس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے تحت مسلمانوں کی حکومت' عوام کے لیے' مسلمانوں کے ذریعے بنائی جائے گی۔ خلافتِ راشدہ یقیناً انسانوں ہی کے مشورے سے بنائی ہوئی حکومت تھی' اور انسانوں ہی کی بہبود کے لیے تھی۔ اس لیے الفاظ کے ظاہر کی حد تک جمہوریت میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسلامی نظام میں جمہوری روح کارفرما ہوگی' لیکن اقتدار اعلیٰ صرف اللہ کا حق ہے۔ چنانچہ نظام خلافت میں اگرچہ خلیفہ عوام کی جانب سے منتخب کردہ ہوگا' تاہم اُس کے پاس اختیار اللہ کی طرف سے امانت ہوگا۔ وہ خود اُس کی مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ کتاب وسنت کی روشنی میں قانون سازی کرسکیں گے۔ اِس سے تجاوز کا انہیں اختیار نہیں ہوگا۔

**س:** تبلیغی جماعت والے دعویٰ کرتے ہیں کہ سنت پر کاربند ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

**ج:** یقیناً وہ بہت سی سنتوں پر کاربند ہیں۔ وہ داڑھی رکھتے ہیں' شلوار ٹخنوں سے اونچی ہوتی ہے' تہجد کی پابندی کرتے ہیں اور یہ قابل ستائش بات ہے لیکن اصل میں جو سب سے بڑی سنت ہے' یعنی اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کے لیے دین کے غلبے کا جدوجہد کرنا جس کے لیے نبی اکرم ﷺ نے اپنی پوری حیاتِ مبارکہ کے دوران سخت محنت جاری رکھی' یہ سنت ان کے بیان کردہ ہدف سے غائب ہے۔ وہ دین کو پھیلا رہے ہیں۔ مگر ایک ہے دین کا پھیلانا دوسرے دین کی اقامت۔ وہ دین کو قائم کرنے کی جدوجہد سے دست کش ہیں۔

**س:** ایک شخص پلازہ تعمیر کرتا ہے اور اُس کی دوکانیں کرائے پر دیتا ہے۔ کرایہ دار ہر مہینے مالک مکان کو ایک مقررہ رقم بطور کرایہ ادا کرتا ہے' قطع نظر اِس سے کہ دوکاندار کو فائدہ ہو رہا ہو یا نقصان' سوال یہ ہے کہ کیا یہ صورت سود میں شامل نہیں ہے؟ کیا یہ بھی ایک طرح سے زمین کا سود نہیں ہے؟

**ج:** جی نہیں مکان یا دوکان کا کرایہ سود میں شامل نہیں۔ اس کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ سود کی جو تعریف اور وضاحت قرآن وسنت میں کی گئی ہے صرف اسے ہی سود کہا جائے گا اور اس کی دو صورتیں معلوم ہیں۔ ایک قرض میں مشروط اضافہ یعنی ربا النسیئہ' اور دوسرے ایک نوع کی اشیاء کے باہمی تبادلے میں اضافہ یعنی ربا الفضل۔ یہی دو صورتیں ربا یا سود کی ہیں۔ جہاں تک بلڈنگ وغیرہ کے کرائے کا معاملہ ہے اس کی حلت کے بارے میں تمام فقہا اور علماء متفق ہیں۔

جہاں تک سود اور کرائے میں فنی نکتہ نگاہ سے فرق کا معاملہ ہے تو سود اس قرض کی رقم پر لیا جاتا ہے جو رقم قرض خواہ کو لوٹانا لازم ہوتا ہے۔ اس رقم کے نقصان کی جملہ ذمہ داری مقروض پر ہوتی ہے اور رقم کا مالک ہر صورت میں راس المال واپس لینے کا حقدار ہوتا ہے۔ اسی لیے شریعت نے اس پر کسی قسم کے اضافے کو سود قرار دے کر حرام ٹھہرایا ہے۔ جب کہ عمارت کے کرائے کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ عمارت کے نقصان اور شکست وریخت کی کل ذمہ داری مالکِ عمارت پر ہوتی ہے۔ اس لیے اسے کرائے کا استحقاق حاصل ہوتا ہے۔ سود اور کرائے کے فرق کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن کی تفصیل میں جانا غیر ضروری ہے۔

کالم ''تفہیم المسائل'' میں سوالات بذریعہ ڈاک یا ای میل ایڈریس meidia@tanzeem.org پر بھیجے جاسکتے ہیں۔

## ماہ صیام میں تنظیم اسلامی صادق آباد کی تنظیمی و دعوتی سرگرمیاں

رمضان المبارک کے مہینے میں تنظیم اسلامی صادق آباد نے دعوتی نقطۂ نظر سے دونوں اُسروں میں ویڈیو پروگرام دروسِ قرآن (منتخب نصاب) کا اہتمام کیا۔ اُسرہ شہر صادق آباد کی جانب سے حکیم جماعت علی زاہد (ملتزم رفیق) کی رہائش گاہ پر اور اسرہ سیٹلائٹ ٹاؤن کی طرف سے کنڈرگارٹن اکیڈیمی میں دروسِ قرآن کا اہتمام کیا گیا اور اِسی اُسرہ میں عید کی مصروفیات کی وجہ سے 28 رمضان کو درس کی تکمیل کے موقع پر دعوت کا اہتمام کیا گیا اور شیرینی بھی تقسیم کی گئی۔ علاوہ ازیں مالک کائنات کی طرف سے تنبیہہ (زلزلہ) کے بعد رفقاء تنظیم نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کسی تنظیم یا جماعت کا جو نمائندہ بھی تنظیم کے کسی رفیق کے گھر پر آیا اُس کے ساتھ بھرپور تعاون کے ساتھ گیا۔ حلقہ کے حکم پر بھی رفقاء سے رابطہ کیا گیا تو اس میں بھی انہوں نے تعاون کیا اور تقریباً 14,000 روپے حلقہ کو بھیجے گئے۔

علاوہ ازیں آخری عشرہ رمضان میں تنظیم اسلامی اُسرہ سیٹلائٹ ٹاؤن نے زلزلہ زدگان کے لیے امدادی کیمپ لگایا جو چاند رات تک جاری رہا۔ رفقاء نے احباب سے ملاقاتیں کر کے گرم بستر اور خشک راشن اکٹھا کیا۔

آمد عید پر امیر مقامی تنظیم سجاد منصور صاحب کے حکم پر عیدملن کی سادہ پُر وقار تقریب منعقد ہوئی۔ اس موقع پر ناظم تربیت تنظیم اسلامی حلقہ بالائی سندھ جناب حافظ خالد شفیع صاحب نے اپنے مختصر خطاب میں فرمایا کہ تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع عام اس لیے منسوخ کیا گیا کہ اس کے اوپر اٹھنے والے اخراجات زلزلہ فنڈ میں دیئے جائیں اور ہر رفیق آمد و رفت کا خرچ یا کم از کم کرایہ ہی زلزلہ زدگان کے امدادی فنڈ میں جمع کرائے۔ اس کے بعد حافظ صاحب نے زلزلہ زدگان مرحومین زخمیوں اور بیماروں کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔

عشائیہ کے ساتھ اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ (رپورٹ: قاری مشتاق حسین ضیائی)

## دورہ شانگلہ و بونیر

ضلع شانگلہ پہلے ضلع سوات کا ایک حصہ تھا اب ایک الگ ضلع ہے۔ اس کے ایک گاؤں چوگا میں ہمارے تین رفقاء رہتے ہیں جن کے ساتھ کافی خط و کتابت کے باوجود رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ امیر حلقہ سرحد شمالی اور مرکزی ٹیم کے باہمی مشورے سے عید الفطر کا تیسرا دن روانگی کا مقرر ہوا جس کے ساتھ اُس طرف کے تمام اُسروں کا دورہ بھی شامل ہوا۔ اس پروگرام کے لیے تین دِن کا اندازہ لگایا گیا کیونکہ چوگا ضلع شانگلہ اور اسرہ سواڑی ضلع بونیر کے دُشوار گزار پہاڑی علاقہ میں واقع ہیں۔ راستے کے دُشواری کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چوگا مرکز تیمر گرہ سے 160 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے لیکن ہمیں وہاں پہنچنے میں نو گھنٹے لگے۔ اس دورے میں جس ٹیم نے شرکت کی اُن کے نام درج ذیل ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| 1۔ | شاہ وارث۔ | معتمد حلقہ، بحیثیت نمائندہ امیر حلقہ سرحد شمالی |
| 2۔ | احسان الودود۔ | ناظم تربیت حلقہ سرحد شمالی |
| 3۔ | تنظیم الحق | ناظم مالیات |
| 4۔ | عزیز الحق | ملتزم رفیق تنظیم تیمر گرہ |
| 5۔ | حضرت نبی محسن۔ | نقیب اُسرہ خراسان باجوڑ ایجنسی |
| 6۔ | یوسف خان۔ | نقیب اُسرہ مینہ باجوڑ ایجنسی |
| 7۔ | حبیب علی۔ | نقیب اُسرہ غالیگے ضلع سوات |

### پروگرام کی تفصیل:

**6-11-2005 صبح سات بجے روانگی**

1۔ اُسرہ غالیگے سوات: رُفقاء سے ملاقات اور اُسرہ کے اُمور پر بات چیت

2۔ اُسرہ کبل سوات: رُفقاء سے ملاقات اور اُسرہ کے اُمور پر بات چیت

3۔ اُسرہ چوگا: رات آٹھ بجے۔ آرام و طعام

**7-11-2005**

1۔ اُسرہ چوگا کی تشکیل: نقیب کو ہدایات۔ احباب سے ملاقات

2۔ اُسرہ سواڑی: رفقاء سے ملاقات۔ اُسرہ کے اُمور پر گفتگو

3۔ دعوتی پروگرام 'موضوع' ایمان و توبہ اوسطاً حاضری۔ 35 افراد

**8-11-2005**

1۔ اُسرہ الہ ڈھنڈ اور اوچ :

2۔ اُسرہ کے اُمور پر گفتگو اور ملاقات

رات سات بجے مرکز تیمر گرہ واپسی ہوئی۔ اس دورے میں کافی تعداد میں لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (رپورٹ: احسان الودود)

پروگرام کا آغاز 13 نومبر کو رات ساڑھے نو بجے قرآن اکیڈمی یاسین آباد میں ہوا۔ کراچی کی شمالی تنظیم کے نقیب جناب طارق پیرزادہ نے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ادا کیے۔

## حلقہ سندھ زیریں کے تحت ماہانہ شب بیداری

سب سے پہلے ناظم حلقہ انجینئر نوید احمد کو مطالعہ لٹریچر کا پروگرام کنڈکٹ کرنے کی دعوت دی گئی، جنہوں نے بنیادی عقائد اور دینی تصورات کے حوالے سے ہر نوع کے کفر، جملہ اقسام شرک اور تمام رذائل و ذمائم اخلاق سے شعوری اعلان برأت کے ضمن میں رفقاء کو مفید باتیں بتائیں۔ کفر حقیقی یا قلبی اور کفر قانونی یا ظاہری کی تعریف وضاحت سے بیان کی اور شرک اور اقسام شرک کے حوالے سے گفتگو کی۔ ان کے بعد جناب اعجاز لطیف نے ''نبی اکرم ﷺ اپنے گھر میں'' کے موضوع پر تذکیری خطاب کیا۔ آپ کی خانگی زندگی کے مختلف گوشے رفقاء پر واضح کیے گئے۔

علی الصبح ساڑھے چار بجے رفقاء کو انفرادی عبادات کے لیے اٹھایا گیا۔ تہجد اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد انجینئر نعمان اختر نے مطالعہ حدیث کرایا۔ جس حدیث مبارکہ پر گفتگو کی گئی، اس میں اللہ کے رسول ﷺ نے ان برائیوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے عام ہو جانے پر اللہ تعالیٰ اس معاشرے کو مختلف نوعیت کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد آرام اور ناشتہ کے لیے وقفہ ہوا۔ آٹھ بجے دوبارہ پروگرام شروع ہوا۔ جناب محمد نعمان نے سورۂ عبس کا تذکیری مطالعہ کرایا۔ موصوف نے پہلی مرتبہ رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن میں مترجم کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ انہوں نے کہا دعوت '' **street preaching** '' کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے لیکن انبیاء و رسل کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ معاشرے کی ذہین اور موثر اقلیت کو دعوت کا ہدف بناتے رہے ہیں۔ پھر راقم نے حالات حاضرہ پر گفتگو کی۔ زلزلے کی تفصیلات، اس سانحہ کے نتیجے میں قوم کے اندر پیدا ہونے والے جذبۂ ایثار اور امدادی کارروائیوں کا اجمالی احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ تنظیم کی جانب سے امدادی کارروائیوں کے سلسلے میں موصول شدہ تفصیلات بھی بیان کی گئیں۔ راقم نے شرکاء پر زور دیا کہ وہ متاثرین کی مدد کے لیے آگے بڑھیں اور اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ مالی انفاق کریں۔ اسرائیل سے رابطوں کے حوالے سے حکومتی اقدامات اور اس پر مختلف جماعتوں کے ردعمل کا ذکر بھی کیا گیا۔

جناب شجاع الدین شیخ نے سورۃ الحدید کی آیات 12 تا 15 پر درس دیا، جس میں مومنین کی جزا جبکہ منافقین کے برے انجام کا تذکرہ آیا ہے۔ انجینئر نوید احمد کی چند وضاحتوں کے بعد قائم مقام امیر حلقہ جناب نجم الحسن نے اپنی اختتامی گفتگو میں پروگراموں پر تبصرہ کیا۔ اللہ اس شب بیداری کو عمل کے اعتبار سے ہمارے لیے مفید بنائے۔ آمین!

## الاخوان المسلمون کا احیاء

مصری حکومت نے آدھی صدی قبل اپنے ملک کی مقبول ترین اسلامی جماعت پر پابندی لگا دی تھی لیکن وہ اسے عوام کے دلوں سے ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس امر کا ثبوت مصر کے حالیہ پارلیمانی انتخابات ہیں۔ ان پارلیمانی انتخابات کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اب تک دو مرحلوں کے نتائج سامنے آ چکے ہیں جس کے مطابق الاخوان المسلمین نے 76 نشستیں جیت لی ہیں۔ یہ اخوانیوں کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ پچھلی پارلیمان میں ان کی صرف 17 نشستیں تھیں۔ اخوانی اقتدار میں تو نہیں آ سکیں گے لیکن اس بار حکومت کو مضبوط حزب اختلاف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اخوان کو تیسرے مرحلے میں مزید نشستیں مل جائیں گی۔ اب وہ اس قابل ہو گئی ہے کہ 2011ء کے صدارتی انتخابات میں اپنا امیدوار کھڑا کر سکے گی۔ مصری آئین کے مطابق وہی سیاسی گروہ اپنا صدارتی امیدوار کھڑا کر سکتا ہے جس کی پارلیمان میں کم از کم 65 نشستیں ہیں۔ اس زبردست کامیابی سے اخوانیوں کے اس مطالبے کو نئی زندگی ملی ہے کہ ان کی جماعت پر سے پابندی ہٹائی جائے۔ مگر مصری حکومت نے بھی تہیہ کر رکھا ہے کہ وہ یہ کام نہیں کرے گی۔

مصر میں ایک اسلامی جماعت کے احیا سے امریکا کو تشویش ہو گئی ہے جو اسلامی ممالک کو "سیکولر" دیکھنا چاہتا ہے۔ پاکستان، سوڈان، ایران کے بعد اب مصر میں بھی اسلامی ذہن رکھنے والے رہنما آگے آ رہے ہیں۔ دراصل مصری سمجھتے ہیں کہ ان کی حکومت بے ایمانی کی گرو اور امریکا کی پٹھو ہے، اس سے چھٹکارا پانا از حد ضروری ہے۔ اخوانیوں نے یہ انتخابات "اسلام ہی واحد حل ہے" کے بینر تلے لڑے ہیں۔ اخوان کے مرشد عام، محمد مہدی عاکف اپنی جیت پر بہت خوش ہیں۔ انہیں امید ہے کہ اب مصری سیاست، حکومت اور مستقبل کا رخ متعین کرنے میں الاخوان المسلمین بھی اہم کردار ادا کرے گی۔

## فرانس میں امتیازی سلوک کا شاخسانہ

یورپ میں فرانس وہ ملک ہے جہاں برطانیہ کے بعد سب سے زیادہ مسلمان آباد ہیں۔ آج کل وہ سکون کے عالم میں نہیں رہ رہے۔ فرانسیسی معاشرے میں ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ مثلاً جس کا نام اسلامی ہو، اسے نوکری نہیں دی جاتی، اسے نفرت سے دیکھا جاتا ہے۔ معاشی عدم تحفظ کے خوف سے بعض مسلمان اپنا نام بدلنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مثلاً ایک مسلمان عبدالرحیم نے اپنا نام پیریز رکھ لیا۔ اس پر اسے اچھی نوکری مل گئی۔ مغربی ممالک خود کو انسانی حقوق کا چمپئن کہتے ہیں مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ انہی ممالک میں دہشت گردی کے نام پر مسلمانوں کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ حالیہ فرانسیسی ہنگامے اس کا ثبوت ہیں۔ وہ تب شروع ہوئے ہیں جب فرانسیسی پولیس نے دو مسلمان لڑکوں کو خواہ مخواہ مار ڈالا۔ صرف اس لئے کہ سپاہی تعصب سے بھرے ہوئے تھے۔ اگر ان کی جگہ فرانسیسی لڑکے ہوتے تو انہیں خراش تک نہ آتی۔

## جرمن پاپ سنگر کا قبول اسلام

جرمن کی ایک ممتاز گلوکارہ، ہولر کنڈیم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ خبر کے مطابق تیس سالہ کنڈیم باقاعدگی سے حجاب پہننے لگی ہے۔ وہ مکمل طور پر باعمل مسلمان عورت میں ڈھل گئی ہے اور نئی زندگی پا کر خوش ہے۔ وہ کہتی ہے کہ پانچ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اُسے ذہنی سکون ملتا ہے۔ کنڈیم نے حال ہی میں "جنت کی بیٹی" نامی ایک کتاب بھی تحریر کی ہے۔ اس میں کنڈیم نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنی "پاپی" زندگی سے تائب ہو کر مسلمان کیسے ہوئی۔

## الجزیرہ ٹی وی پر حملے کا منصوبہ

برطانوی اخبار ڈیلی مرر نے انکشاف کیا ہے کہ عراق جنگ کے دوران امریکی صدر بش نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ قطر میں قائم الجزیرہ ٹی وی نیٹ ورک کا صدر دفتر ہوائی حملوں کے ذریعے تباہ کر دیا جائے لیکن برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے اس اقدام کی مخالفت کی تھی۔ اس پر یہ منصوبہ ملتوی کرنا پڑا۔ یہ بہت بڑا انکشاف ہے اور اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ امریکی حکومت کس حد تک اخلاقی گراوٹ کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔

اس زمانے میں الجزیرہ ٹی وی افغانستان اور عراق میں جاری مجاہدین کی سرگرمیاں نشر کر رہا تھا اور اس پر سے اسامہ بن لادن اور دیگر رہنماؤں کے انٹرویوز نشر ہوتے رہتے تھے امریکی حکومت کا خیال تھا کہ الجزیرہ کی نشریات اس کی "دہشت گردی کے خلاف جنگ" سے متصادم ہیں، اسی لیے ٹی وی اسٹیشن پر حملے کا منصوبہ بنایا گیا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ امریکی حکومت اپنے اور یورپ کے ان ٹی وی اسٹیشنوں اور ریڈیو اسٹیشنوں کو کچھ نہیں کہتی جو مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟

## چیچنیا میں پارلیمانی انتخابات

کوہ قاف کی مسلمان ریاست چیچنیا میں پارلیمانی انتخابات مکمل ہو گئے ہیں۔ روسی حکومت کی سرپرستی میں ہونے والے انتخابات میں صرف انہی لیڈروں نے حصہ لیا جو غلامی کا طوق گلے میں پہنا رکھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ روس نے اپنی زبردست فوجی طاقت کے باعث آزادی پسند رہنماؤں کو زیر زمین جانے پر مجبور کر دیا ہے، اس لئے روسی حکومت کے چمچے برساتی مینڈکوں کی طرح بڑی تعداد میں سامنے آ گئے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ عام چیچن اب بھی صرف آزادی کا خواب دیکھ رہا ہے اور جلد یا بدیر ان شاء اللہ چیچنیا روسی استبداد کے پنجے سے آزاد ہو گا۔

## اسلامی اداروں کی خلاصی

امریکا میں سینٹ کی مالیاتی کمیٹی نے اپنے ملک کے 25 اسلامی خیراتی اداروں کو اس الزام سے بری کر دیا ہے کہ وہ دہشت گردوں کو سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ یاد رہے کہ واقعہ 11 ستمبر کے بعد سے امریکی حکومت ہر اسلامی تنظیم کو مشکوک سمجھ کر اس کی چھان بین میں لگی ہوئی ہے۔ وہ سمجھتی ہے خیراتی اداروں کو دیا گیا سرمایہ امریکا کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ اب امریکی سینٹ کی مالیاتی کمیٹی اس نتیجے میں پہنچی ہے کہ معاملہ ایسا خطرناک نہیں کہ اس کے سدباب کے لیے قوانین بنائے جائیں۔

نہ جانے امریکی یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ دہشت گرد تنظیم اور آزادی کی خاطر جدوجہد کرنے والی تنظیم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اب حالیہ زلزلہ پاکستان ہی کو لیجئے۔ آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد میں پریشان حال اور مصیبت زدہ لوگوں کی سب سے زیادہ مدد ان تنظیموں نے کی ہے جن پر پابندی لگائی جا چکی ہے۔ اگر ان کے ارکان دہشت گرد ہوتے، تو انہیں کیا پڑی تھی کہ دکھی انسانیت کی مدد کرتے۔

## افغانی انتخابات کے نتائج

افغانستان میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات کے نتائج سامنے آ گئے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ایسے 50 فیصد نمائندے نئی افغان پارلیمان میں پہنچ چکے ہیں جن کا تعلق جہادی تنظیموں سے ہے۔ اس صورت حال سے امریکی تشویش میں مبتلا ہیں کیونکہ یہ نمائندے کرزئی حکومت کو گرانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ امریکیوں کو یہ بھی خوف ہے کہ اب وہ افغانستان کو لادینی ریاست میں تبدیل نہیں کر سکیں گے۔

## بقیہ: کالم آف دی ویک

والے پیشواؤں سے ہے" آج اس قسم کے پیشوا ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں حشرات الارض کی طرح روئے زمین، صفحہ ہائے اخبارات اور پردہ ہائے سکرین پر کلبلانے اور خوخیانے میں مگن ہیں۔ غالباً یہی وہ عہد نافرجام ہے جس کے متعلق کائنات کی سب سے سچی ہستی نے کہا تھا کہ "اُس دور میں تمہارے لیے زمین کے اوپر سے اس کا اندر بہتر ہوگا"۔

دنیا کی محبت میں مرے جانے والے یہ "نازنین علماء" عزت کی موت کو برا جاننے اور بھاگنے کے مذموم عمل کو "جہاد اکبر" سے تعبیر کر کے سامراجی آقاؤں کو خوش کر رہے ہیں۔ دنیا کے لیے اللہ کی شریعت کا حلیہ بگاڑنے والے ان عباپوشوں اور طرہ برداروں کو نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کا اپنا حلیہ بگڑ چکا اور چہرے مسخ ہو چکے ہیں۔ جس جان کو وہ دنیا کی سب سے بڑی چیز جان کر بچانے کے لیے طالبان حق کا ساتھ دینے سے راہِ فرار اختیار کر گئے، طالبانِ حق کے نزدیک وہی جان "دنیا کی ساری چیزوں سے ہیچ و ادنیٰ ہے"۔

قرآنی تعلیمات دو جمع دو کی طرح واضح اور واشگاف ہیں۔ یہ "درباری علامے" یہ "سرکاری ملا" ہر دور میں پیش پا افتادہ مفادات کے لیے قرآن کو "پاژند" بناتے رہے ہیں۔ حق اور باطل کو خلط ملط کرنے کے یہ ایکسپرٹ جانے کیوں بھول جاتے ہیں کہ یہ دنیا چند روزہ ہے، اس کی لذتیں لمحاتی ہیں اور اس کا اقتدار نہ صرف یہ کہ دیمک زدہ درخت اور کرم خوردہ رق کی طرح ناپائیدار ہے بلکہ غزل کے معشوق کی طرح ہرجائی اور بے اعتبار بھی ہے۔ جن پیش پا افتادہ مفادات کے حصول کے لیے آیات ربانی اور تعلیمات نبوی ﷺ کو مرضی اور خواہش کے رنگ میں ڈبو کر نئے معانی اور مفاہیم دے رہے ہیں، ان مفادات کی حیثیت دھوپ کے چوراہے میں بالائے بام رکھی برف کی اس سل سے زیادہ نہیں جو لحظہ لحظہ، قطرہ قطرہ پگھل کر بھاپ بن رہی ہے۔ ان دنیا دار دانشوروں اور علاموں کی تمام تر مادی ثروتیں ارباب حق کی نگاہ میں کیا حیثیت رکھتی ہیں، آیئے یہ جاننے کے لیے باب العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ امامت مآب میں حاضر ہوں۔ فرماتے ہیں "تمہاری یہ دنیا اور اس کا جلال و جمال میرے نزدیک کوڑھی کے ہاتھ میں پکڑی سور کی انتڑیوں سے بھی حقیر ہے۔"

## بقیہ: انسان اور زمانہ

طبقہ ہے جو اندھا دھند کھسکتے ہی جانے کو ترقی سمجھتا ہے۔ اس کورانہ دوڑ کی ذمہ داری بہت کچھ قدامت پرست طبقے پر (بل)ائد ہوتی ہے کیونکہ وہ نئے خطوط پر سوچنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ ایک فونٹین پین سے لے کر ہوائی جہاز تک کی تمام نئی ایجادات کو عملاً قبول کر چکا ہے لیکن نئے تصورات و نظریات کو اور جدید افکار و خیالات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ اجتہاد کا دروازہ بند کر چکا ہے۔ اس لیے وحی کو سامنے رکھتے ہوئے عقل و ذہن کی روشنی میں رفتارِ زمانہ کی پشت پر شہسوار بن کر لگام ہاتھ میں لینا بھی ناجائز سمجھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسائل کا حل نہ پا کر دوسرا طبقہ ردِعمل کے طور پر پیدا ہو گیا جس نے اپنے آپ کو ایسے بے لگام گھوڑے کی پشت پر بٹھا دیا جو کسی منزلِ مقصود کے بغیر سرپٹ دوڑا جا رہا ہے۔

ارتقاء ایک حقیقت ہے۔ زمانے کا دوسرا نام اگر ارتقا رکھ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ زندگی آگے بڑھ رہی ہے اور بڑھتی چلے جائے گی اور ہر دور میں نئے نئے مسئلے سامنے آتے جائیں گے۔ اس فطری ارتقاء کو روکا نہیں جا سکتا۔ اسے روکنے کی کوشش فطرت سے ٹکر لینا ہے۔ اُسے روکنا تو ممکن نہیں ہے لیکن اصلاح ممکن ہے اور یہی دینِ فطرت کا تقاضا ہے۔

❀ ❀ ❀

## بقیہ: یادوں کی تسبیح

کی رفتار سے لڑے گا۔ اس کا رخ پھیرنے کی کوشش میں اپنی پوری قوت صرف کر دے گا۔ کامیابی اور ناکامی کی اس کو قطعاً پروا نہ ہوگی۔ وہ ہر اس نقصان کو گوارا کرے گا جو اس لڑائی میں پہنچے یا پہنچ سکتا ہو، حتیٰ کہ اگر دریا کی روانی سے لڑتے لڑتے اس کے بازو ٹوٹ جائیں، اس کے جوڑ بند ڈھیلے ہو جائیں اور پانی کی موجیں اس کو نیم جاں کر کے کسی کنارے پر پھینک دیں تب بھی اس کی روح ہرگز شکست نہ کھائے گی۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں اپنی اس ظاہری نامرادی پر افسوس، یا دریا کی رو پر بہنے والے کافروں اور منافقوں کی کامرانیوں پر رشک کا جذبہ راہ نہ پائے گا۔"

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ، ضرب ہو کاری

میرے محترم قارئین! اقتباسات طویل ہو گئے؟ لیکن "تحریکی قوت" کا مفہوم اور مطلب ان سے پوری طرح واضح ہو گیا ہوگا۔ میں اب سوچتا ہوں کہ چودہ آنے خرچ کرنے کے باوجود بہت اچھا ہی ہوا کہ "طاقت" کی وہ شیشی مجھے خالی ہی ملی...... باور آیا مجھے پانی کا ہوا ہو جانا! علامہ اقبال نے اس "تحریکی قوت" کو "قوتِ عشق" کا نام دیا ہے۔ فرماتے ہیں ۔

⇦

most striking about this analysis of Islamist terrorism made by nuncio El-Hachem is that it is in stark contrast with what Benedict XVI said about terrorism during his meeting with Muslim leaders in Cologne on August 20. On that occasion, Benedict XVI gave no quarter to Islamist terrorism. He did not trace its causes back to oppression and misery. Nor did he deny its religious components. On the contrary, he spoke explicitly of 'atrocities committed in the name of religion.' And as the "master route" for overcoming it he pointed to the education of minds and hearts." This is how all ground realities are ignored and the situation is presented as if it is Islam or its "mis-interpretation" that is responsible for the continued violence: as if the US didn't lie; as if it didn't starve 1.8 million Iraqis before the war; as if there has been no aggression and no use of torture and chemical weapons against civilians; as if all these murderous acts have no consequences at all. As if it is only the Islamic faith stupid. Unfortunately, all those who are dumping the blame of Muslims' alleged and real crimes on their faith and "mis-interpretation" or "misuse" of religion can hardly answer the question that why did we *not* see a single Iraqi suicide bomber before the US invasion and crimes against humanity. Were they not Muslims before? Or there was no one to mis-interpret religion for them?

The Pope's support to the baseless theory perpetrated by Bush, Blair and their allies can hardly cover their lies and crimes. However, if this approach of turning a blind eye to the realities continued, the most terrifying history by far will come upon us in the very near future. It is time we understand the truth. The worst mistake you can make is to refuse to understand!

Germany and the Vatican primarily started the war in Yugoslavia. Why would a church which is supposed to teach God's love again ally itself with Zionists and neo-cons in their aggression and occupations? Why would it ally itself with the US, UK and Israel in violating all international laws, norms and human rights standards, considering their heinous crimes? Wouldn't a repentant church or state do just the opposite? Unless they plan for a future somewhat akin to the dream of Adolf Hitler!

---

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

تو آیئے! ہم دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کرنے کی جدوجہد کریں! تیار ہیں ناں آپ!! (جاری ہے)

millions during the Inquisition have anything to do with their crimes?

Mark Aarons and John Loftus, in their book *Unholy Trinity*, have abundantly documented the fact that the Vatican heavily sponsored and engineered the infamous "Ratlines" used to help most of the Nazi leaders escape the Allies at the end of World War II! The evidence in this book is overwhelming. A reading of the book shows that the Church was more than just silent regarding the Jews in World War II and in their support for the Nazi cause. These facts are so well-documented that nobody can honestly reject them.

The Vatican's present attitude and support of the oppressors is an action replay of its past. On March 22, 1998, the *Philadelphia Inquirer* carried an article summarizing Pius' 1942 Christmas message in which he lamented the cruelties of war, but failed to even mention the Nazis. Same is the situation today. The Pope is quick in lecturing Muslims and Church is even quicker in condemning "the faith of Ayatollahs," but there is hardly a single word spoken against the United States use of weapons of mass destruction in Iraq and elsewhere.

Wladyslav Raczkiewicz, president of the Polish government-in-exile in 1942, wrote to Pius: "My people ...implore that a voice be raised to show clearly and plainly where the evil lies. Today ... the Apostolic See must break silence." As was written in the *Inquirer*, "Pius did not." So will the present day Church never condemn atrocities of the aggressors where they are in Tel Aviv, Washington or London.

Looking at the war-criminals — Bush and others from his administration — in the halls of Vatican reminds one of some quotes from the most frightfully shocking book: *Unholy Trinity*. Mark Aarons and John Loftus write:

"It is absurd to believe that 30,000 fugitive Nazis escaped to South America on the few U-Boats remaining at the end of the war, or that they all made their own travel arrangements. Modern popular culture has presented the escape of the Nazis in an adventurous, almost romantic light. The most popular Nazi smugglers are Odessa and Die Spinne, although other mysterious groups are also mentioned from time to time. But in the main these stories owe more to the fertile imagination of script writers and novelists than to historical research and accuracy. The truth is much more ordinary, almost mundane. It is all the more shocking as a result. For whatever successes Odessa achieved, they were mere amature at Nazi-smuggling when compared with the Vatican. Draganovic's Ratline [the name given to the Vatican's Nazi smuggling operation] was truly professional, ensuring that many guilty war criminals reached safe havens. Often they did not end up in the remote jungles of South America, but settled instead in Britain, Canada, Australia and the United States" (p. 88).

The Vatican's out of place criticism of Islam, association with Zionism and support to the occupied regimes in Iraq and Afghanistan is not something new. What else can be expected of the Vatican which supported the Croatian Nazi puppet regime during and after World War II.

This fact was revealed by a US Treasury document, published in July 1997. The Vatican dismissed the accusations, but in *Unholy Trinity*, Mark Aarons and John Loftus contend that the Vatican has something to hide. Many Serbs, according to the authors, were butchered using medieval methods. "Eyes had been gouged out," they wrote, "limbs severed, intestines and other internal organs ripped from the bodies of the living. Some were slaughtered like beasts, their throats cut from ear to ear with special knives. Others died from blows to their heads with sledgehammers. Many more were simply burned alive."

Much more alarming, however, is the "special relationship" between the pope and Croatia at a time when Croatian fascists were slaughtering Serbs. Aarons and Loftus said the atrocities were already under way when Pope Pius XII met with Ante Pavelic, Croatia's leader, in April 1941.

The pope agreed to meet with Pavelic again in May 1943, by which time the Nazi atrocities against the Serbs were without refute. (One Italian journalist interviewed Pavelic in his home and was shocked to find a large bowl of Serbian eyes the fascist had been collecting.) Yet, according to *Unholy Trinity*, "Pius himself promised to give Palvelic his personal blessing again. By this time, the Holy See possessed abundant evidence of the atrocities committed by his regime."

U.S. intelligence also confirmed that Pavelic had numerous secret meetings with the Under Secretary of State of the Holy See, Monsignor Montini, who later became Pope Paul VI. According to one intelligence official, *Unholy Trinity* quotes, "Pavelic's contacts are so high and his present position is so compromising to the Vatican, that any extradition of [Pavelic] would deal a staggering blow to the Roman Catholic Church."

Any right-thinking person would now understand that it is not something new that the very highest officials in the Catholic Church, including the pope, would associate with and even protect fascists and war criminals.

"For fugitive Nazis," Aarons and Loftus wrote, "all roads led to Rome." High-ranking ministers, civil servants, even Ante Pavelic himself, with help from the Vatican's Ratlines, were able to disappear into thin air, intelligence sources have confirmed. At the time, the Vatican labeled these escapees "refugees." But they were Croatian fascists who were helping Hitler's regime!

The Vatican would do a favor to humanity if it could please stop associating Muslim's guilt with their religion: faith. If the Church had no such intentions as the famous reporter on Church affairs, Sandro Magister, have reported, then the Church must make is clear for the record. Furthermore, instead of lecturing Muslims, as the new Pope has started doing so, the Church must have a serious look at its past and present association with murderers, torturers and the enemies of humanity. Before lecturing others and criticizing their faith, the Church has more to hide or repent of than any other people or institution in the history of the world. The Church may take a lesson from the fact, that despite its wheeling and dealing with fascists in the past and present, no one blames the Church's faith for the crimes of its followers.

The New Pope has taken a serious course to associating all violence to Muslim faith. It is interesting to note that when the new nuncio in these Gulf states, archbishop Mounged El-Hachem, quoted Paul VI and told in an interview with the English-language Lebanese weekly "Monday Morning," (edition number 1714, dated October 31, 2005) that there is no link between terrorism and religion, Sandro Magister shot back and quoted Pope Benedict in favor of the argument that holds Muslim faith responsible. archbishop Mounged El-Hachem said: "First of all, I categorically reject any link between religion and terrorism, although I understand your question in view of the present situation. I consider that terror is the result of repression, of suffering, of injustice directed against a person, a group or a particular people, who lose all that they possess and no longer have anything to regret or to lose." Sandro Magister tried to prove this is not what Pope Benedict believes: "What is

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 44

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

**Abid Ullah Jan**
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

# Vatican's Hatred Stands Exposed

apparently it seems that the Church has broken its silence over what Sandro Magister calls "the Islam of Ayatollahs." The reality however is totally different. The Church simply didn't leave an opportunity pass by to vent its hatred towards Islam.

Of course, there are many versions of Muslims but there is just one Islam. Vatican just finds it convenient at such occasions to introduce differences among Muslims and vomit its hatred against Islam in the name of "Islam of Ayatollahs" and "Islam of the Taliban."

One may compare the outbursts of the Church against Iran for its president's comments with its total silence over what the US is doing in Iraq. The evidence has just surfaced that the US used weapons of mass destruction against civilian population in Fallujah and other cities. However, despite the Italian TV and BBC's reporting the war crime, neither the Church nor the US media called Bush and his company's Christian faith into question.

Italian TV just aired a documentary showing evidence of the the US using chemical weapons against civilians in Fallujah. It showed how Giuliana Sgregna, the Italian Journalist who was kidnapped, then nearly assassinated by US troops following her release, had been reporting on that very story along with one other journalist who was killed by US troops at the time. The British Press picked up the story. The rest of the world picked up the story. But the Church and the US media act as if they are not living on this planet.

No one from the Church, sitting in Rome, watching Italian TV documentary about the irrefutable evidence of the US war crimes, dared to condemn Bush or directly target his Christian faith over the use of White Phosphorus against civilian population in Fallujah. Nevertheless, the Church was quick to jump and start criticizing "Islam of Ayatollahs" for the words of Iranian president against Zionism and a state that is racist to its core.

Everything from leaving Bush's butchery aside and picking Iranian President's words alone; to keeping their meaning and context aside and jumping to criticizing his faith in defense of Zionism, expose what the general public doesn't see too often on display from the leaders of the Church.

The Church's latest attack on Muslim faith is not a surprise at all. The Vatican and Israel stunned the world by signing an agreement on diplomatic relations on December 30, 1993. For 45 years since the birth of Israel, no such relations had existed. In fact, there had been deep bitterness between these two parties.

Just last year, the Church equated anti-Zionism with anti-Semitism. The announcement was made at a gathering of religious, academic and other leading Jewish and Catholic figures in Buenos Aires in a joint statement: "We oppose anti-Semitism in any way and form, including anti-Zionism that has become of late a manifestation of anti-Semitism." This move by Vatican turned the world around. In the words of a Jewish leader in New York: "In the past, Zionism was equated with racism, and this statement turns anti-Zionism statements to a form of racism."

Vatican's love affair with Zionism and antagonism towards Islam deepens at a time when other Churches are challenging Israeli policies of never ending occupation and repression. We must keep in mind that they are not doing so just because the Vatican and the Anglican Church have been enemies since the British King, Henry VIII. Their antagonism towards each other didn't begin because of Israel's creation in 1948. Presbyterian Church in the US has already decided to use economic sanctions against certain companies doing business with Israel - namely those that profit from the occupation of the West Bank and Gaza. Leaders of the Anglican Church, which in the U.S. includes the Episcopal Church, are the next which followed in the footsteps of the Presbyterian Church. Their actions are based on the reality on the ground, not in blind rivalry with the Vatican.

The latest attempt to direct criticism at Islam in a bid to promote divisions among Muslims and spread hatred against Islam is coming from the same Church which has legitimized the US occupation of Iraq and other crimes on the grounds that there are "bloody terrorist attacks and the continuing insurgency." It ignored the simple, straight forward fact that the so called insurgency is the direct result of the illegitimate war and occupation. One wonders at the level of understanding of the Pope who is "convinced that only an increased military presence, including Nato troops, can secure peace."

Keeping this insensitiveness and lack of logic on the part of Vatican in mind, no one is surprised at the Vatican's attack on the "Islam of Ayatollahs" for the words of the president of Iran. The Church must not take comments about the Israeli policies out of context and use them as an opportunity to vent its hatred against Islam. Islam has never treated Jews or any other people the way the followers of the Church have in the past many centuries.

The history of the Church includes what Islam cannot even imagine. This history includes the diaspora, the dispersion of the Jews around the world and their expulsion by the Catholic kings of Spain and the Inquisition, the persecutions, pogroms [planned massacres] and ritual murders over centuries and across the whole map of Europe, their confinement in ghettos and the endless humiliations.

Would the Church give Muslims a break and look at its recent history. Pope Pius XII, whose lengthy pontifical reign spanned the periods before and after World War II, has been accused in learned treatises and in dramatic plays of looking the other way and remaining silent when the Nazis murdered millions of Jews and nonJews in the death camps of the Holocaust. He has been accused of failing to marshal the moral authority of the Holy See to protest Hitler's crimes.

When, during the war, the Apostolic Delegate in Turkey, Monsignor Angelo Roncalli, urged Pius XII to receive Yitzhak Isaac Halevy Herzog, the Chief Rabbi of Palestine, who wished to plead personally for the rescue of Jews throughout Eastern Europe, the Pope flatly refused.

Of course, the Jews were not the only ones killed in the Inquisition. The Catholic Church killed more than 50 million people during the Inquisition! Only 6 million Jews were killed in World War II. How responsible is Pope Pius XII for the other 40-50 million killed? How dare the Church jumps to condemn faith of a person for his statements, ignoring if faith of the perpetrators of the ongoing killing and oppression in Palestine, Iraq and Afghanistan or the butchery of